BEDD114DST

تدریسیات اُردو

Pedagogy of Urdu

برائے

بیچلر آف ایجوکیشن

(سال اول)

ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز
مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد

© مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد

سلسلہ مطبوعات نمبر-15

ISBN: 978-93-80322-21-6

Edition: June, 2018

ناشر	:	رجسٹرار، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد
اشاعت	:	جولائی 2018
تعداد	:	3000
قیمت	:	110 روپے (فاصلاتی طرز کے طلبہ کی داخلہ فیس میں کتاب کی قیمت شامل ہے۔)
مطبع	:	میسرز پرنٹ ٹائم اینڈ بزنس انٹرپرائزز، حیدرآباد

Pedagogy of Urdu

Edited by:

Dr. Mohd. Moshahid

Associate Professor, Department of Education & Training

On behalf of the Registrar, Published by:

Directorate of Distance Education

In collaboration with:

Directorate of Translation and Publications

Maulana Azad National Urdu University

Gachibowli, Hyderabad-500032 (TS)

E-mail: directordtp@manuu.edu.in

فاصلاتی تعلیم کے طلبا و طالبات مزید معلومات کے لیے مندرجہ ذیل پتہ پر رابطہ قائم کر سکتے ہیں:

ڈائرکٹر

نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی گچی باؤلی حیدرآباد-500032

Phone No.: 1800-425-2958, website: www.manuu.ac.in

فہرست

اکائی نمبر	مضمون	مصنف	صفحہ نمبر
	پیغام	وائس چانسلر	5
	پیش لفظ	ڈائرکٹر	6
	کورس کا تعارف		7
اکائی 1:	زبان اور زبان کی اہمیت	ڈاکٹر نہال احمد انصاری اسسٹنٹ پروفیسر، کالج آف ٹیچر ایجوکیشن، آسنسول	9
اکائی 2:	اردو زبان و ادب	ڈاکٹر محمد مظفر حسین خان اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ تعلیم وتربیت، حیدرآباد	25
اکائی 3:	تدریس اور تدریس کے طریقۂ کار	ڈاکٹر محمد مشاہد اسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ تعلیم وتربیت، حیدرآباد	34
اکائی 4:	اردو زبان کی بنیادی مہارتوں کی تدریس	ڈاکٹر محمد مظفر حسین خان	49
اکائی 5:	اردو زبان کی تدریس و منصوبہ بندی	ڈاکٹر ریاض احمد اسسٹنٹ پروفیسر، کالج آف ٹیچر ایجوکیشن، سنبھل	57

ایڈیٹر:

ڈاکٹر محمد مشاہد

اسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ تعلیم وتربیت

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

لینگویج ایڈیٹر:

پروفیسر محمد ظفر الدین

ڈائرکٹر، ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

پیغام

وائس چانسلر

وطنِ عزیز کی پارلیمنٹ کے جس ایکٹ کے تحت مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا ہے اُس کی بنیادی سفارش اُردو کے ذریعے اعلیٰ تعلیم کا فروغ ہے۔ یہ وہ بنیادی نکتہ ہے جو ایک طرف اِس مرکزی یونیورسٹی کو دیگر مرکزی جامعات سے منفرد بناتا ہے تو دوسری طرف ایک امتیازی وصف ہے، ایک شرف ہے جو ملک کے کسی دوسرے اِدارے کو حاصل نہیں ہے۔ اُردو کے ذریعے علوم کو فروغ دینے کا واحد مقصد ومنشا اُردو داں طبقے تک عصری علوم کو پہنچانا ہے۔ ایک طویل عرصے سے اُردو کا دامن علمی مواد سے لگ بھگ خالی ہے۔ کسی بھی کتب خانے یا کتب فروش کی الماریوں کا سرسری جائزہ بھی تصدیق کردیتا ہے کہ اُردو زبان سمٹ کر چند ''ادبی'' اصناف تک محدود رہ گئی ہے۔ یہی کیفیت رسائل واخبارات کی اکثریت میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ ہماری یہ تحریریں قاری کو کبھی عشق ومحبت کی پُر پیچ راہوں کی سیر کراتی ہیں تو کبھی جذباتیت سے پُر سیاسی مسائل میں اُلجھاتی ہیں، کبھی مسلکی اور فکری پس منظر میں مذاہب کی توضیح کرتی ہیں تو کبھی شکوہ شکایت سے ذہن کو گراں بار کرتی ہیں۔ تاہم اُردو قاری اور اُردو سماج آج کے دور کے اہم ترین علمی موضوعات چاہے وہ خود اُس کی صحت وبقا سے متعلق ہوں یا معاشی اور تجارتی نظام سے، وہ جن مشینوں اور آلات کے درمیان زندگی گزار رہا ہے اُن کی بابت ہوں یا اُس کے گردوپیش اور ماحول کے مسائل..... وہ ان سے نابلد ہے۔ عوامی سطح پر اِن اصناف کی عدم دستیابی نے علوم کے تئیں ایک عدم دلچسپی کی فضا پیدا کردی ہے جس کا مظہر اُردو طبقے میں علمی لیاقت کی کمی ہے۔ یہی وہ چیلنجز ہیں جن سے اُردو یونیورسٹی کو نبرد آزما ہونا ہے۔ نصابی مواد کی صورت حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ اسکولی سطح کی اُردو کتب کی عدم دستیابی کے چرچے ہر تعلیمی سال کے شروع میں زیر بحث آتے ہیں۔ چونکہ اُردو یونیورسٹی میں ذریعہ تعلیم ہی اُردو ہے اور اس میں علوم کے تقریباً سبھی اہم شعبہ جات کے کورسز موجود ہیں لہٰذا اِن تمام علوم کے لیے نصابی کتابوں کی تیاری اِس یونیورسٹی کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔ اِسی مقصد کے تحت ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز کا قیام عمل میں آیا ہے اور احقر کو اِس بات کی بے حد خوشی ہے کہ اپنے قیام کے محض ایک سال کے اندر ہی یہ برگِ نو، ثمر آور ہوگیا ہے۔ اس کے ذمہ داران کی انتھک محنت اور قلم کاروں کے بھرپور تعاون کے نتیجے میں کتب کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کم سے کم وقت میں نصابی اور ہم نصابی کتب کی اشاعت کے بعد اِس کے ذمہ داران، اُردو عوام کے واسطے بھی علمی مواد، آسان زبان میں تحریر عام فہم کتابوں اور رسائل کی شکل میں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کریں گے تاکہ ہم اِس یونیورسٹی کے وجود اور اِس میں اپنی موجودگی کا حق ادا کرسکیں۔

ڈاکٹر محمد اسلم پرویز

خادمِ اوّل

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

پیش لفظ

ہندوستان میں اُردو ذریعہ تعلیم کی خاطر خواہ ترقی نہ ہو پانے کے اسباب میں ایک اہم سبب اُردو میں نصابی کتابوں کی کمی ہے۔اس کے متعدد دیگر عوامل بھی ہیں لیکن اُردو طلبہ کو نصابی اور معاون کتب نہ ملنے کی شکایت ہمیشہ رہی ہے۔ 1998ء میں جب مرکزی حکومت کی طرف سے مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا تو اعلیٰ سطح پر کتابوں کی کمی کا احساس شدید ہو گیا۔اعلیٰ تعلیمی سطح پر صرف نصابی کتابوں کی نہیں بلکہ حوالہ جاتی اور مختلف مضامین کی بنیادی نوعیت کی کتابوں کی ضرورت بھی محسوس کی گئی۔فاصلاتی طریقہ تعلیم کے تحت چونکہ طلبہ کو نصابی مواد کی فراہمی ضروری ہے لہٰذا اُردو یونیورسٹی نے مختلف طریقوں سے اُردو میں مواد کا نظم کیا۔کچھ مواد یہاں بھی تیار کیا گیا مگر علمی کتابوں کی منظم اور مستقل اشاعت کا سلسلہ شروع نہیں کیا جاسکا۔

موجودہ شیخ الجامعہ ڈاکٹر محمد اسلم پرویز نے اپنی آمد کے ساتھ ہی اُردو کتابوں کی اشاعت کے تعلق سے انقلاب آفریں فیصلہ کرتے ہوئے ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز کا قیام عمل میں لایا۔اس ڈائرکٹوریٹ میں بڑے پیمانے پر نصابی اور دیگر علمی کتب کی تیاری کا کام جاری ہے۔کوشش یہ کی جارہی ہے کہ تمام کورسز کی کتابیں متعلقہ مضامین کے ماہرین سے راست طور پر اُردو میں ہی لکھوائی جائیں۔اہم اور معروف کتابوں کے تراجم کی جانب بھی پیش قدمی کی گئی ہے۔توقع ہے کہ مذکورہ ڈائرکٹوریٹ ملک میں اشاعتی سرگرمیوں کا ایک بڑا مرکز ثابت ہوگا اور یہاں سے کثیر تعداد میں اُردو کتابیں شائع ہوں گی۔نصابی اور علمی کتابوں کے ساتھ مختلف مضامین کی وضاحتی فرہنگ کی ضرورت بھی محسوس کی جاتی رہی ہے۔لہٰذا یونیورسٹی نے فیصلہ کیا کہ اولاً سائنسی مضامین کی فرہنگیں اس طرح تیار کی جائیں جن کی مدد سے طلبہ اور اساتذہ مضمون کی باریکیوں کو خود اپنی زبان میں سمجھ سکیں۔ڈائرکٹوریٹ کی پہلی اشاعت وضاحتی فرہنگ (حیوانیات و حشریات) کا اجرا فروری 2018ء میں عمل میں آیا۔

زیرِ نظر کتاب بی ایڈ کے طلبہ کے لیے تیار کی گئی ہے اور سال اول کی 17 کتابیں بیک وقت شائع کی جارہی ہیں۔یہ کتابیں بنیادی طور پر فاصلاتی طریقہ تعلیم کے طلبہ کے لیے ہیں تاہم اس سے روایتی طریقہ تعلیم کے طلبہ بھی استفادہ کرسکیں گے۔اس کے علاوہ یہ کتابیں تعلیم و تدریس کے عام طلبہ، اساتذہ اور شائقین کے لیے بھی دستیاب ہیں۔

یہ اعتراف بھی ضروری ہے کہ زیرِ نظر کتاب کی تیاری میں شیخ الجامعہ کی راست سرپرستی اور نگرانی شامل ہے۔اُن کی خصوصی دلچسپی کے بغیر اس کتاب کی اشاعت ممکن نہ تھی۔نظامت فاصلاتی تعلیم اور اسکول برائے تعلیم و تربیت کے اساتذہ اور عہدیداران کا بھی عملی تعاون شاملِ حال رہا ہے جس کے لیے اُن کا شکریہ بھی واجب ہے۔

اُمید ہے کہ قارئین اور ماہرین اپنے مشوروں سے نوازیں گے۔

پروفیسر محمد ظفرالدین

ڈائرکٹر، ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز

کورس کا تعارف

انسانی زندگی میں سیکھنے اور سکھانے کا عمل روزِ اول سے ہی جاری وساری ہے۔ ہر ایک انسان اپنی زندگی میں کچھ نہ کچھ سیکھتا ہے اور سیکھنے کے مختلف ذرائع ہوتے ہیں۔ان تمام ذرائع میں معلم کا رول ایک کلید کی حیثیت رکھتا ہے۔تعلیم وتعلّم اور معلومات کا حصول بغیر معلّم کے ممکن نہیں۔اس لیے موجودہ دور میں معلّم کی ذمّہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے۔تدریسی فرائض انجام دینے کے لیے معلم کے لیے یہ لازم ہوجاتا ہے کہ وہ طلبہ کی تمام تر صلاحیتوں بالخصوص ذہنی، جسمانی، دلچسپی، رجحانات اور رویّوں وغیرہ سے بہتر طور پر واقف ہوں تاکہ اسی مناسبت سے موادِ مضمون کا انتخاب کیا جاسکے اور ساتھ ہی ساتھ مناسب اور موزوں طریقہ تدریس اپنایا جائے جس سے معلّم کی پڑھائی ہوئی چیزوں کو طلبہ بہتر طور پر سمجھ سکیں اور درس وتدریس ایک کامیاب عمل بن سکے۔

یہ کورس پانچ اکائیوں پر مشتمل ہے۔

پہلی اکائی میں زبان کا مفہوم، فطرت، زبان کی خصوصیات، زبان کی اقسام اور زبان کے افعال پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ بولی، زبان اور مادری زبان کے تصوّر کو واضح کیا گیا ہے نیز بولی اور زبان کے درمیان فرق کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔علاوہ ازیں انسانی زندگی میں زبان کی اہمیت وافادیت پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔

دوسری اکائی کا تعلق اردو زبان وادب سے ہے جس میں ادب کے مفہوم اور ادب کا زندگی کے ساتھ رشتہ واضح کیا گیا ہے۔ساتھ ہی ساتھ اردو کی مختلف اصناف پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔علاوہ ازیں اردو زبان کے آغاز وارتقا کے مختلف نظریات بھی شامل کیے گیے ہیں اور ہندوستانی آئین میں اردو زبان کے مقام ومرتبہ کا تعین بھی کیا گیا ہے۔

تیسری اکائی میں تدریس کا مفہوم، اہمیت نیز ایک معیاری تدریس کی خصوصیات واضح کی گئی ہیں ساتھ ہی ساتھ تدریس کے عام اور اقدامی اصول بھی بیان کیے گیے ہیں اور آخر میں تدریس کے مختلف طریقوں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

چوتھی اکائی میں اردو زبان کی بنیادی مہارتوں کی تدریس پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے جن میں سننا، بولنا، پڑھنا اور لکھنا سکھانے کے تدریسی طریقے اور ان تمام مہارتوں کو فروغ دینے کی مختلف سرگرمیاں شامل ہیں۔

آخری اکائی کا تعلق اردو زبان کی تدریس ومنصوبہ بندی سے ہے۔اس اکائی میں اردو زبان کی تدریس کے عام وخاص مقاصد بیان کیے گیے ہیں۔ اس کے علاوہ ثانوی سطح پر تدریس اردو (نثر، نظم وقواعد) کے مقاصد واضح کیے گیے ہیں۔بلوم کا پیش کردہ تدریسی مقاصد اور ان کی درجہ بندی کو بھی بیان کیا گیا ہے۔اور آخر میں منصوبہ سبق اور خرد تدریس کے تصور کو واضح کیا گیا ہے۔

الغرض اس کورس میں اردو زبان کی تدریس کے وہ تمام تر لوازمات کو شامل نصاب رکھا گیا ہے جن کی معلومات ایک اردو معلّم کے لیے ازحد ضروری ہے۔

تدریسیات اردو

اکائی۔1۔ زبان اور زبان کی اہمیت

ساخت

1.1 تمہید

1.2 مقاصد

1.3 زبان کا مفہوم

1.4 زبان کی فطرت

1.5 زبان کی خصوصیات

1.6 زبان کی اقسام

1.6.1 اشاروں کی زبان

1.6.2 آوازوں کی زبان

1.6.3 علامتوں کی زبان

1.7 زبان کے افعال

1.7.1 مافی الضمیر کے اظہار کا وسیلہ

1.7.2 رابطہ کا ذریعہ

1.7.3 تمدن کی ترسیل کا ذریعہ

1.8 بولی

1.9 زبان

1.10 مادری زبان

1.11 بولی اور زبان کے درمیان فرق

1.12 انسانی زندگی میں زبان کی اہمیت

1.13 یاد رکھنے کے نکات

1.14 اپنی معلومات کی جانچ

1.15 سفارش کردہ کتابیں

1.1 تمہید

ہماری زندگی میں زبان کی بہت ہی زیادہ اہمیت ہے۔ہم اپنے جذبات وخیالات کا اظہار زبان کے ذریعہ کرتے ہیں بلکہ اس کی ترسیل کا کام بھی زبان کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔قدیم زمانے میں علم کو عام لوگوں تک پہنچانے کا واحد ذریعہ زبان تھی۔اور آج بھی زبان کے ذریعہ علم کو عام لوگوں تک پہنچانے میں مدد ملتی ہے اور آنے والی نسلوں کو بھی اس سے فائدہ حاصل ہوتا رہے گا۔زبان کا استعمال بات چیت،ادب،نثر نگاری وشاعری میں ہوتا ہے جو انسانی زندگی کی تہذیبی قدروں کی ترجمانی وتحفظ کرتی ہیں اسکے علاوہ تہذیب وثقافت،علوم وفنون کو ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کرنے میں زبان کا بہت ہی اہم رول ہے۔

انسانی زندگی میں زبان کی اہمیت سے کسی فرد کو انکار نہیں ہوسکتا ہے۔ذرا آپ سوچیے کہ اگر زبان نہ ہوتی تو کیا ہوتا۔کیا انسان اپنی باتوں کو ایک دوسرے سے کہہ پاتا؟ بالکل نہیں۔اس سے یہ بات نکل کر سامنے آتی ہے کہ انسان اور حیوان میں اگر کوئی چیز فرق پیدا کرتی ہے تو وہ زبان ہے۔ زبان کا استعمال عام لوگ بات چیت،دکھ سکھ،خوشی وغم کے اظہار وترسیل میں کرتے ہیں۔جبکہ صاحب علم اس کا استعمال ادب،شاعری،نثر نگاری، تجزیہ اور غور وفکر کے لیے استعمال کرتے ہیں۔قدیم زمانے میں علم کو عام لوگوں تک پہنچانے میں زبان کا ہی استعمال کیا جاتا تھا کیونکہ اس وقت نہ چھپی ہوئی کتابیں تھیں نہ قلم وکاپی۔آج بھی زبان کے ذریعہ علم کو عام لوگوں تک پہنچانے میں مدد ملتی ہے۔زبان انسانی زندگی کی تہذیبی قدروں کی ترجمانی کرتی ہے اور تحفظ بھی۔اس کے علاوہ تہذیب وثقافت کی ترسیل میں مدد کرتی ہے۔علوم وفنون،تہذیب وثقافت کو ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کرنے میں زبان کا بہت ہی اہم رول ہوتا ہے۔زبان انسانی شعور کو نکھار بخشتی ہے اور اس کی شخصیت کو اعلیٰ بناتی ہے۔

1.2 مقاصد

اس اکائی کو مکمل کرنے کے بعد:

- ☆ آپ زبان کے مفہوم،اس کی اہمیت وافادیت اور اس کی قسموں کے بارے میں واقف ہوجائیں گے۔
- ☆ بولی وزبان کے فرق کو سمجھ جائیں گے۔
- ☆ مادری زبان کے مفہوم واہمیت کو جان جائیں گے۔اور
- ☆ ادب کی زندگی میں اہمیت کو سمجھ جائیں گے۔

1.3 زبان کا مفہوم

زبان بولیوں کے مجموعہ کا نام ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو دوسری مخلوقات سے صرف زبان کی وجہ سے امتیاز بخشا ہے۔زبان ہماری زندگی میں بہت ہی اہم رول ادا کرتی ہے اس لیے اس کی اہمیت کو زمانہ قدیم سے مانا گیا ہے۔کیونکہ انسان زبان کی وجہ سے بات چیت کے ذریعہ اپنے

احساسات، خیالات، جذبات اور مافی الضمیر کو بہتر طریقے سے ادا کرسکتا ہے۔ اسلئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ بات چیت کرنے، اپنے خیالات، احساسات، جذبات و تجربات کو لفظوں کے سانچے میں ڈھال کر بولنے کے طریقوں کو زبان کہتے ہیں۔

زبان کی پیدائش کے متعلق مختلف نظریات پیش کئے گئے ہیں

ڈاکٹر محی الدین قادری زور اسکی مزید تفصیل کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

"زبان کی واضح تعریف ان الفاظ میں کی جاسکتی ہے کہ زبان انسانی خیالات اور احساسات کی پیدا کی ہوئی ان تمام عضوی اور جسمانی حرکتوں اور اشاروں کا نام ہے جن میں زیادہ تر قوت گویائی شامل ہیں اور جن کو ایک دوسرا انسان سمجھ سکتا ہے۔ اور جس وقت چاہے اپنے ارادے سے دہرا سکتا ہے"

(زبان کی ماہیئت، آغاز و تشکیل)

سید احتشام حسین نے 'ہندوستانی لسانیات کا خاکہ' میں لکھا ہے:

"یہ بتانا تو بہت مشکل ہے کہ زبان کسے کہتے ہیں لیکن کچھ سمجھنے کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ زبان آوازوں کے ایک ایسے مجموعے کا نام ہے جسے انسان اپنا خیال دوسروں پر ظاہر کرنے کے لئے ارادتاً نکالتا ہے"۔

پروفیسر گوپی چند نارنگ نے زبان کو " آوازوں اور لفظوں کا مجموعہ " کہا ہے۔ ان کے نزدیک زبان بامعنی آوازوں اور لفظوں کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں، جس میں انسان اپنے خیالات و احساسات اور جذبات کو ضرورت کے مطابق دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ اور وہ بے معنی یا لغو نہیں ہوتا۔

زبان کی پیدائش کب ہوئی، کہاں ہوئی، کیسے ہوئی اس پر مختلف ماہر لسانیات کے اپنے الگ الگ نظریے ہیں مگر ایک بات صاف ہے کہ کوئی بھی بچہ ماں کے پیٹ سے زبان سیکھ کر پیدا نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے ماحول و معاشرے میں رہ کر زبان کو سیکھتا ہے اسی طرح ابتدائی انسانوں نے بھی زبان سیکھی ہوگی۔ زبان ایک حد تک انسان کی اپنی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ وہ اس خداداد صلاحیت کو اپنی فطرت اور عضوی خصوصیات کی مدد سے ظاہر کرتا ہے۔ زبان کی تشکیل و ارتقاء براہ راست انسانی خیالات کے ارتقاء پر منحصر ہے۔ اس بات کو احتشام حسین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ زبان کی پیدائش میں ارادوں کا بہت زیادہ دخل ہے۔

دنیا کی موجودہ زبانوں میں ایسی کوئی بھی زبان نہیں ہے جس کی پیدائش ایک نسل کے بطن سے ہوئی ہو۔ یا وہ کسی ایک قوم کی گود میں پلی بڑھی ہو بلکہ زبان کی ارتقا رفتہ رفتہ صدیوں میں ہوئی ہے۔ کوئی بھی زبان صرف ایک قوم کے گہوارہ و تمدن میں پرورش بھی نہیں پاتی ہے بلکہ کئی قومیں مل کر اس کی پرورش و پرداخت کرتی ہیں۔ ہر زبان کے جاننے والوں میں ایسے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے زبان کا مطالعہ کیا اور قومی و مذہبی خدمات انجام دیئے۔ وہ ہمارے لیے ہمیشہ رہنمائی کا کام کرتے ہیں۔ کوئی بھی زبان اس وقت تک زندہ رہتی ہے جب تک اسکے اندر تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی

ہیں اور یہ تبدیلیاں مختلف راستوں سے آتی ہیں جو زبان کو ترقی بخشتی رہتی ہیں جن سے ایک عرصے بعد اس کے قدیم اور جدید صورتوں کے درمیان مشابہت بہت کم رہ جاتی ہے جسے ماہر لسانیات اور محقق بھی پہچاننے میں کامیاب ہو پاتے ہیں۔

بولی اور زبان کے درمیان فرق کے بارے میں مختلف ماہر لسانیات مختلف نظریہ رکھتے ہیں مگر ابھی تک کوئی بھی ماہر لسانیات بولی اور زبان کے درمیان واضح اور مفصل فرق نہیں بتا پایا۔ گیان چند جین نے اپنی کتاب "لسانی مطالعہ" میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ بولی ہی ترقی کر کے زبان کی شکل اختیار کرتی ہے اور زبان بننے سے پہلے اور بعد میں دوسری زبانوں سے سرمایہ الفاظ وتر کیبیں حاصل کرتی ہے۔ اس کی لغت اور قواعد سے بھی اثر قبول کرتی ہے۔ ہر تحریری زبان کا آغاز کسی نہ کسی بولی سے ہوا ہے۔ بولیاں خود بھی ایک دوسرے پر اپنے اثرات ڈالتی ہیں۔ان میں سے کئی بولیاں ترقی یافتہ قوم یا علاقے سے تعلق رکھتی ہیں جو اپنے مقابلے کسی دوسری بولی پر سبقت حاصل کر لیتی ہیں اور زبان بننے کی طرف اپنے قدم بڑھا دیتی ہیں۔اس دوران وہ دوسری بولیوں سے الفاظ وتر کیبیں لیتی ہیں۔ جیسے جیسے وہ ترقی کرتی ہیں ویسے ہی ان کی پہچان بول چال کی دوسری زبانوں سے الگ ہو جاتی ہے۔اور وہ دھیرے دھیرے تحریری وادبی زبان بننے کی طرف گامزن ہو جاتی ہے۔

ماہر لسانیات کی نظر میں زبان سے مراد آوازیں ہیں جو منہ سے ادا کی جائیں اور سنائی دیں۔ زبان کے ذریعہ انسان اپنے خیالات، جذبات واحساسات کا اظہار سماج میں کرتا ہے۔ ہنری سیوٹ ''تکلمی آوازوں کے ذریعہ خیالات کے اظہار کرنے کو زبان کہتا ہے''۔ایک دوسرے ماہر لسانیات کا ماننا ہے کہ زبان ملفوظ آوازوں کی وہ علامتیں ہیں جن کے ذریعہ ایک انسان دوسرے انسان پر اپنی خواہشات اور خیالات کو ظاہر کرتا ہے۔ زبان کے ذریعہ انسان ایک دوسرے سے کلام کرتا ہے۔ انسان سماج میں رہتا ہے اور اس لیے اسے ایک سماجی حیوان کہا جاتا ہے۔ زبان سماجی زندگی میں خیالات کے اظہار وترسیل کا بہترین ذریعہ ہے۔اور یہی ضرورتیں زبان کو پیدا کرتی ہیں۔ دنیا کے ہر خطے میں کوئی نہ کوئی زبان پروان چڑھی۔ کیونکہ انسان کی سماجی ومعاشی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے زبان کا سہارا ضروری ہے۔ پروفیسر انعام اللہ خاں شیروانی فرماتے ہیں:

> "زبان صرف انسان کے خیالات کے اظہار کا اہم اور مرکزی ذریعہ ہی نہیں بلکہ ایک نسل سے دوسری نسل کی تہذیب کی ترسیل کے لیے بھی لازم اور ضروری ہے''۔

دنیا کی کوئی بھی زبان اچانک وجود میں نہیں آتی ہے۔ بلکہ یہ ایک طویل مرحلوں اور تہذیبی عمل کا نتیجہ ہوتی ہیں۔اسی کے ذریعہ انسان کے شعور کی تربیت ہوتی ہے اور تہذیب پروان چڑھتی ہے۔ انسان جو غور وفکر کرتا ہے اس کے اظہار کے لیے زبان کا ہی سہارا لیتا ہے۔ زبان سیکھنا ایک اکتسابی عمل ہے جو انسان سماج میں رہ کر کرتا ہے۔ فرد کی نشوونما کے ساتھ ساتھ زبان کا سیکھنا بھی جاری رہتا ہے جو اسے سماجی ماحول سے ملتا ہے۔ زبان کی تعلیم انسان کے نقطۂ نظر اور شخصیت میں وسعت پیدا کرتی ہے۔

ہنری سوئم کے خیال میں آوازوں کے ذریعہ مفہوم کا ہر اظہار لازمی طور پر زبان نہیں کہلا سکتا۔ زبان لفظ نہیں بلکہ جملہ ہے۔ علمائے زبان

نے زبان کی اکائی لفظ کونہیں بلکہ جملہ کوقرار دیا ہے۔ زبان جب تک جملوں کے ادا کرنے کے مرحلے کو نہ پہنچے وہ خیال کے اظہار کا آلہ نہیں بن سکتی۔ جانوروں کی بولیاں اس مرحلے میں نہیں ہوتیں۔ وہ صرف آوازوں کے ذریعہ انفرادی تصورات کو ظاہر کر سکتے ہیں لیکن وہ ان آوازوں کو جوڑ کر مفہوم کو ظاہر نہیں کر سکتے۔

زبان کی ارتقاء:

زبان ارتقاء پذیر ہوتی ہے۔ دنیا کی دوسری چیزوں کی طرح زبان میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ یوں کہیے کہ زبان میں تبدیلی اس کی فطرت میں شامل ہے تو غلط نہیں ہوگا۔ یہ تبدیلی زبان کی اصوات، الفاظ، قواعد کے اصول، شکل، جملوں کی بناوٹ، الفاظ کے معنوی نوعیت وغیرہ میں ہوتی رہتی ہے۔ اس کا پتہ ہمیں تب چلتا ہے جب ہم کسی زبان کی موجودہ شکل کا مقابلہ اس کی قدیم شکل سے کرتے ہیں۔ یہ بات الگ ہے کہ کسی زبان میں بدلاؤ تیزی سے ہوتا ہے اور کسی میں دھیرے دھیرے۔ لیکن زبانوں میں بدلاؤ لازمی عمل ہے۔ ماہر لسانیات اسے ارتقا کا نتیجہ مانتے ہیں۔

ارتقاء کے عوامل:

(i) جغرافیائی اثرات
(ii) سیاسی ومعاشی ونسلی اثرات
(iii) تہذیبی اثرات
(iv) ذہنی اثرات

(i) جغرافیائی اثرات:

کوئی بھی لسانیات کا ماہر زبان پر جغرافیائی اثرات سے انکار نہیں کر سکتا۔ ریگستان کی زبان پہاڑی علاقوں کی زبانوں سے مختلف ہوتی ہے۔ اسی طرح بندرگاہوں کی زبان میدانی علاقوں سے مختلف ہوتی ہے۔ جب ہم مختلف علاقوں پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر علاقے میں الگ الگ زبان پائی جاتی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ علاقوں کے جغرافیائی حالات زبان پر اپنا گہرا اثر ڈالتے ہیں۔

(ii) سیاسی اور معاشی ونسلی اثرات:

سیاسی ومعاشی وجوہات سے دونسلوں کے لوگوں میں آپسی میل جول ہوتا ہے تو دونوں نسلوں کی زبانیں متاثر ہوتی ہیں۔ پھر دونوں نسلوں کی زبانیں آپس میں مل کر ایک نئی زبان پیدا کرتی ہیں۔ جو پہلے کی دونوں زبانوں سے زیادہ منظّم ہوتی ہے اور سادہ بھی۔ اس کی مثال اردو زبان خود ہے۔ اگر دونوں زبانیں مختلف خاندان سے تعلق رکھتی ہوں تو یہ صورت اور بھی زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے۔

(iii) تہذیبی اثرات:

کسی بھی قوم کی زندگی میں مذہب وتہذیب کا بہت بڑا اثر رہتا ہے۔ مذہب قوموں کے درمیان بندھن کا کام کرتا ہے۔ بعض قوموں میں تو ادب کی ابتدا مذہبی تحریروں سے ہوئی ہے۔ اکثر جگہوں پر کسی مذہبی تحریک کی بدولت ادب میں نیا عہد شروع ہوتا ہے۔ قرآن خود اس کی مثال ہے۔ اس کے ساتھ مختلف جگہوں کی تہذیب کا بھی زبان پر اثر پڑتا ہے۔

زبان کے آغاز کے متعلق نظریات:

زبان کا آغاز وابتدا کہاں سے ہوا؟ کب ہو؟ اس پر مختلف ماہر لسانیات نے مختلف نظریے پیش کیے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ دنیا کی ساری زبانیں کسی ایک مذہب سے پیدا ہوئی۔ جسے خلقی نظریہ (Monogenetic Theory) کہا جاتا ہے۔ تو کسی کا نظریہ یہ ہے کہ زبانوں کی ابتدا دنیا کے مختلف حصوں میں آزادانہ طور پر ہوئی، اس نظریہ کو کثیر خلقی نظریہ کہتے ہیں۔ اگر ہم زبان کے آغاز وابتدا پر غور وفکر کرتے ہیں تو سب سے پہلے جو بات ذہن میں آتی ہے کہ نسل انسانی سب سے پہلے کہاں پیدا ہوئی۔ کیا نسل انسان کی پیدائش دنیا میں ایک جگہ ہوئی یا مختلف جگہوں پر؟ اور زبانیں بنیں کیسے؟

دنیا کے مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں اور بولیاں بولی جاتی ہیں۔ اس بات کا اندازہ ہمیں اس وقت ہوتا ہے جب ہم ایک علاقے سے دوسرے علاقے جاتے ہیں۔ اگر ہم ہندوستان کی ہی بات کریں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں نہ صرف رہن سہن، کھانا پینا اور تہذیب وتمدن کا فرق ہے بلکہ بول چال کے طریقے اور زبانوں میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ زبان کی پیدائش سے متعلق جو مختلف نظریے پیش کئے گئے ہیں ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

☆ فطری نظریہ:

افلاطون اپنے مجموعہ مکالمات (Cratylus) میں لفظوں کے آغاز پر بحث کرتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ شئے کے نام میں کوئی نہ کوئی فطری تعلق ہوتا ہے۔ اس پر Pythogorus اور Herokritos کی بھی رائے کچھ اسی طرح کی ہے۔ مگر جب ہم مختلف علاقوں کی مختلف زبانوں کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ایک ہی شئے کے مختلف زبانوں میں مختلف اسماء ہیں۔ اس لیے یہ بات قابل قبول نہیں لگتی۔

☆ الہامی نظریہ:

اس نظریہ کے ماننے والے زبان کے آغاز کو الہامی قرار دیتے ہیں۔ مختلف مذاہب کے ماننے والے زبان کے آغاز کو اپنی مذہبی کتاب اور اس کی زبان سے جوڑتے ہیں۔ اس نظریہ کو بھی صحیح نہیں مانا جاسکتا کیونکہ اگر زبانیں الہامی ہوتیں تو ان میں بے ترتیبی نہیں پائی جاتی۔ یہ نظریہ قدیم ترین نظریہ مانا جاتا ہے۔ اور یہ مذہبی نظریہ سے تعلق رکھتا ہے۔ مسلمان عربی زبان کو آسمانی یا الہامی زبان مانتے ہیں۔ اسی طرح سنسکرت، پالی الہامی زبانیں مانی جاتی ہیں۔

☆ فجائی نظریہ:

اس نظریہ کو میکس ملر نے 'پوہ پوہ' کا نظریہ کہا۔اس نظریہ میں یہ مانا گیا کہ انسان کے جذبات کی شدت کی وجہ سے منھ سے کوئی آواز نکل جاتی ہے جیسے اُف، آہ وغیرہ اور یہی آوازیں زبان بنی' یہ نفسیاتی نظریہ ہے۔اس نظریے کے مطابق' چیزوں کے مشاہدے سے دل میں مختلف طرح کے احساسات وجذبات پیدا ہوتے ہیں جو مختلف آوازوں کی شکل میں باہر نکلتے ہیں۔اس کو ماہرلسانیات نے رد کردیا کیونکہ ان سے لفظ بنانا مشکل ہے۔

☆ اشیا کی جھنکار کا نظریہ:

اس میں مختلف اشیا کی جھنکار کی آوازوں کو زبان کا آغاز مانا گیا ہے جیسے ٹن ٹن۔چھن چھن وغیرہ۔یہ نظریہ بھی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ اشیا کی جھنکار سے سبھی چیزوں کا نام نہیں بنایا جاسکتا۔اور کبھی کبھی اشیا کا نام اس کی جھنکار کی آواز سے مختلف ہوتی ہیں۔یا پھر جن چیزوں میں جھنکار نہیں ہے ان کے نام کیسے رکھے جائینگے۔

☆ مادوں کا نظریہ:

پروفیسر ہنرے کے شاگرد ڈاکٹر اسٹائن تھال نے اس نظریہ کو شائع کیا۔ان کا ماننا تھا کہ آواز اور معنی میں ایک رشتہ ہے۔جب کسی بھی شئے پر ضرب لگائی جاتی ہے تو اس میں سے ایک خاص قسم کی آواز پیدا ہوتی ہے۔اسے سن کر انسان اسی طرح کی آواز نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔اسی طرح کی کوششوں سے زبان کی ابتدا ہوئی۔اس نظریہ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ صوت اور اس کے مفہوم میں ایک خاص تعلق چھپا ہوا ہے۔

☆ ہائی سو نظریہ:

یہ نظریہ بنیادی طور پر جسمانی محنت کشوں سے تعلق رکھتا ہے۔یعنی مزدور اور کام گاروں سے۔جب بھی کوئی مزدور یا کام گار کوئی بھاری بوجھ اٹھاتا ہے یا کوئی جسمانی قوت والا کام کرتا ہے تو کام کو آسان یا ہلکا کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی آواز منھ سے نکالتا ہے جیسے کھینچتے وقت ہو ہو یا ہیّا ہیّا وغیرہ۔اس نظریے کو نوارے (Noire) نے دیا۔اس نظریہ کے ماننے والوں کا کہنا ہے کہ انہیں آوازوں سے لفظ بنے مگر یہ نظریہ قابل قبول نہیں لگتا۔

☆ معاہدے کا نظریہ:

اس نظریہ میں زبان کا آغاز انسانوں کے باہمی تعلقات و رشتے سے جوڑا جاتا ہے۔چوتھی صدی قبل مسیح میں ارسطو نے زبان کو باہمی قول کا نتیجہ قرار دیا۔بعد میں 1754ء میں روسو (Rousseau) نے اس پر روشنی ڈالی اور ایک کتاب بھی Social Contact لکھی اور اس نے اس

بات کی طرح زبان کو بھی معاہدے کا نتیجہ قرار دیا۔اس نظریہ میں مانا جاتا کہ قدیم زمانے میں جب انسان ایک جگہ جمع ہوئے تھے تو آپسی گفتگو سے زبان نکلی۔وہ مل جل کر اشیا کا نام اتفاق رائے سے رکھتے تھے جس سے مختلف زبانیں پیدا ہوئیں۔

☆ صوت تقلیدی نظریہ:

عام طور پر بچے جانوروں کی آوازوں سے ان کے نام کو جوڑ دیتے ہیں جیسے بھوں بھوں، میں میں اور انہیں سے الفاظ بنائے گئے مگر یہ بھی نظریہ تسکین بخش نہیں لگتا۔ یہ مانتے ہیں کہ الفاظ فطری اصوات کی نقل سے بنا ہے جیسے بچے جانوروں یا دوسری چیزوں کی آواز سن کر نقل کر کے بولتے ہیں جس سے دھیرے دھیرے زبان بنتی ہے۔

☆ ہنری سپوٹ کا نظریہ:

انیسوی صدی کے ماہر لسانیات ہنری سپوٹ نے کئی نظریوں کی مدد سے اپنا ایک الگ نظریہ قائم کیا۔ ان کے مطابق ابتدا میں زبان اشاروں اور اصوات پر مشتمل تھی۔اور انہیں سے زبان پیدا ہوئی۔انہوں نے ابتدائی الفاظ کو تین قسموں میں ذکر کیا۔

(i) نقل اصوات۔مختلف جانوروں کی آوازوں سے زبان کی ابتدا کو مانا جاتا ہے۔جیسے کاؤں کاؤں سے کوا، میاؤں میاؤں سے بلی وغیرہ۔

(ii) فجائی الفاظ۔شدت وجذبات کی وجہ سے انسان کے منہ سے بے ساختہ نکلی ہوئی آوازیں جیسے ہائے، اف وغیرہ۔

(iii) رمزی الفاظ۔اسمیں الفاظ کے معنی اتفاق یا کسی تعلق سے اخذ کر کے لئے جاتے ہیں جیسے ماما، دادا، نانا وغیرہ۔

موجودہ زمانے کے ماہر لسانیات زبان کے آغاز کے بارے میں قدیم نظریات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور انہیں محض قیاس آرائی سمجھتے ہیں۔زبان نہ تو خود بخود ذہنوں میں کود پڑی اور نہ ہی خدا کے ذریعہ انسان کے دماغ میں اتار دی گئی بلکہ مطالعے وتحقیق سے یہ پتہ چلتا ہے کہ زبان بھی منظّم ارتقا کا نتیجہ ہے۔ابتدائی زمانے میں یہ سادہ روپ میں تھی لیکن وقت کے ساتھ جیسے جیسے قومیں مہذب وشائستہ ہوتی گئیں زبانیں بھی ترقی کرتی گئیں۔

زبان وخیال ایک دوسرے سے آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔خیال کے بغیر زبان کا وجود ممکن نہیں۔جب انسان کے دماغ میں طرح طرح کے نئے نئے خیالات پیدا ہوتے ہوں گے۔انہیں خیالوں کے اظہار کرنے کی صلاحیت سے زبان پیدا ہوئی۔ یہ بات بھی کافی غور وخوض کے بعد تسلیم کر لی گئی ہے کہ اگر کرۂ ارض کے مختلف حصوں میں نسل انسانی کا ارتقا ہوا ہوگا تو زبانیں بھی ان کے ساتھ مختلف حصوں میں پیدا ہوئی ہوں گی۔ لیکن اگر انسان کا وجود یا ظہور ایک ہی مقام پر ہوا ہوگا تو ابتدا میں ایک زبان پیدا ہوئی ہوگی۔اور جب انسان دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلتا چلا گیا ہوگا تو زبان بھی ان کے ساتھ پھیلتی چلی گئی ہوگی۔

1.4 زبان کی فطرت

زبان ہمیشہ حالات، وقت اور جگہ کے مطابق تبدیل ہوتی رہتی ہے۔کبھی تغیرات زمانہ سے ایک زبان سے کئی زبانیں پیدا ہوجاتی ہیں۔

زبان کی دوصورتیں ہیں:

(1) ظاہری صورت

(2) معنوی صورت

الفاظ کا استعمال خوبصورت تراکیب، لفظ ونثر وغیرہ یہ سب زبان کی ظاہری صورت ہیں جبکہ معنوی صورت میں الفاظ کی معنوی خوبیاں ہیں۔

اگر آواز اپنی معنوی حیثیت کو الفاظ کے ذریعہ اچھی طرح ادا نہ کرسکے تو ترسیل وابلاغ یعنی زبان کا اصل مقصد پورا نہیں ہوسکتا۔الفاظ ومعنی میں مناسبت، آپسی ربط وتعلق اور تال میل کے ذریعہ ہی زبان کا دائرہ وسیع ہوتا ہے۔وقت اور جگہ کے مطابق زبانیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ان میں کبھی اشتراک پایا جاتا ہے،کبھی اختلاف اور کبھی یکسانیت۔

زبان چونکہ جذبات، خیالات اور احساسات کے اظہار کا ذریعہ ہوتی ہے۔اس لیے زبان کی کیفیت کم وبیش انسان وحیوان دونوں میں پائی جاتی ہے۔مگر انسانوں میں یہ شئے بالکل مختلف انداز میں پائی جاتی ہے۔چونکہ زبان کے دومفہوم ہیں پہلا آواز اور دوسرا اشارہ۔انسان میں زبان کی یہ دونوں قسمیں پائی جاتی ہیں جبکہ جانور صرف آواز کا استعمال کرتے ہیں۔

1.5 زبان کی خصوصیات

زبان اپنی خصوصیات کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے۔یہ موروثی نہیں بلکہ ماحول کی دین ہوتی ہے۔زبان اکتسابی ہے جو سماج میں رہ کر سیکھی جاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اوسطاً انسان دوسری زبانوں کو کوشش کرنے پر سیکھ جاتا ہے۔زبان ایک سماجی شئے ہے جس کا استعمال سماج ہی میں کیا جاتا ہے۔زبان کے ذریعہ ہی ترسیل وابلاغ کا کام بہتر طریقے سے انجام پاتا ہے۔

مندرجہ ذیل میں زبان کی چند خصوصیات درج کی جاتی ہیں:

1) زبان کے ذریعہ ہم اپنے تجربات، مشاہدات اور فکر واحساسات کو دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔

2) زبان کے ذریعہ سماجی رشتے استوار کیے جاتے ہیں۔بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ دور میں دوقوموں یا دوملکوں یا عالمی سطح پر امن وامان اور بھائی چارے کا فروغ زبان کے ذریعہ ہی ممکن ہو پایا ہے۔

3) تہذیب وتمدن کا ارتقا زبان سے ہی ہوتا ہے۔کیونکہ جس ملک کی زبان جتنی ترقی کرتی ہے، اس ملک کی تہذیب بھی اتنی ہی ترقی پذیر ہوتی ہے۔

4) زبان کی کوئی آخری صورت نہیں ہوتی بلکہ یہ لگاتار ارتقا کے مختلف مراحل سے گزرتی رہتی ہے۔

5) زبان علوم وفنون کی حصولیابی کا ذریعہ ہے۔ زبان کے ذریعہ ہی علوم وفنون سیکھے جاتے ہیں اور نئی نسل بلندیوں کو حاصل کرتی ہے۔ نئی ایجادات ہوتی ہیں اور اسی کے ذریعہ مدارس ومکاتب میں درس وتدریس ممکن ہو پاتا ہے۔

اب آپ جان گئے ہونگے کہ

الف) زبان کی فطرت کیا ہے

ب) زبان کی خصوصیات کون کون سی ہیں

1.6 زبان کی اقسام

انسان اپنی ذاتی، گھریلو اور سماجی ضرورتوں کے تحت نئی نئی چیزیں ایجاد کرتا رہا ہے۔ پہلے وہ اپنی ضروریات کے اظہار اور مافی الضمیر کی ادائیگی کے لیے لفظوں کا سہارا لیتا تھا، پھر اس نے آہستہ آہستہ ہاتھ، سر، آنکھ اور بھنوؤں کے اشارے سے اپنی باتوں کو کہنا شروع کر دیا۔ آگے چل کر انسانی قوت ادراک اور قوت تخیل نے بلندی پا کر آوازوں کی علامتوں کو بھی زبان کی طرح استعمال کرنا اور سمجھنا سیکھ لیا۔ موجودہ زندگی میں بارہا ایسا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ تھوڑی سی آواز بہت زیادہ مفہوم ادا کر دیتی ہے جیسے چھوٹے بچے کے رونے کی آواز۔ یونہی ایک علامت نشان بھی ہے جیسے ریلوے پھاٹک پر لال بتی کا سگنل وغیرہ۔

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ زبان کی تین قسمیں ہیں:

(1) اشاروں کی زبان

(2) آوازوں کی زبان

(3) علامتوں کی زبان

1.6.1 اشاروں کی زبان

انسان اپنے جسم کے اعضا کے حرکات کے ذریعہ جب اپنے احساسات وجذبات اور خیالات کو دوسروں تک پہنچاتا ہے تو اسے ہم اشارہ کہتے ہیں۔ یہ مرحلہ زبان کی نشو ونما کا پہلا مرحلہ ہے۔ اس کا استعمال زمانہ قدیم سے ہوتا آ رہا ہے بلکہ لسانیات کے ماہرین تو یہ مانتے ہیں کہ اشاروں کی زبان، آوازوں کی زبان اور علامتوں کی زبان سے کم وبیش دس لاکھ سال پرانی ہے۔ اور یہ بات حقیقت بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ آج زبان جتنی ترقی یافتہ ہے اتنی زمانہ قدیم میں نہ ہوگی۔ اس لیے اشاروں کی زبان کا استعمال زیادہ ہوتا ہوگا۔ اشاروں کی زبان میں گفتگو یا تحریر کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس میں انسان، آنکھ، سر یا ہاتھ کے اشارے سے اپنے جذبات، احساسات اور خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ عام طور پر اشاروں کی زبان تین طرح کی ہوتی ہیں۔

(a) بصری جسے ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں جیسے چہرہ۔آنکھ۔بھنوؤں کی جنبش۔ہاتھ وغیرہ۔

(b) سماعت کرنا یعنی ایسے اشاروں کی آواز جنہیں ہم سنتے ہیں جیسے ہارن بجانا۔دستک دینا۔چٹکی بجانا وغیرہ۔

(c) لمس یعنی چھوکر اشارہ کرنا جیسے چٹکی کاٹنا، ہاتھ دبانا، کہنی مارنا وغیرہ۔

اگر اشاروں کی زبان کا عالم گیر سطح پر جائزہ لیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم سے لے کر آج تک اس کا استعمال عام طور پر کیا جاتا رہا ہے۔مگر اشاروں کی زبان کے معنی بھی الگ الگ ملکوں اور خطوں میں الگ الگ ہوتے ہیں۔جیسے شمالی ہند میں سر کو دائیں اور بائیں ہلانا ''نہیں'' کا اشارہ ہے۔جب کہ جنوبی ہند میں اس کے معنی ''ہاں'' کے ہوتے ہیں۔اسی طرح دنیا کے دوسرے مما لک میں بھی دیکھا جاتا ہے۔غرض کہ ہر ملک میں اشارات کا اپنا اپنا نظام ہے۔اشاروں کی زبان کا استعمال فوج میں آج بھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔خاص کر جنگ کے وقت اشارات کی زبان بہت ہی مفید ثابت ہوتی ہے۔اور فوجی اسے کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔

ہندوستانی ادب میں بھی اشاروں کی زبان کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔قواعد میں محاوروں، اشاروں کی زبان کثرت سے دیکھنے کو ملتی ہے۔جیسے انگوٹھا دکھانا، گردن جھکا لینا وغیرہ۔اشاروں کی زبان کا استعمال رقص وموسیقی، کلاسیکی ڈراموں میں بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔غرض کہ اشاروں کی زبان کا استعمال ہماری زندگی میں وسیع پیمانے پر ہوتا ہے مگر اس کا حلقہ عمل بہت محدود ہے۔اس میں دشواریاں بھی پیش آتی ہیں کیونکہ اشاروں کے مفہوم میں الگ الگ حلقے اور الگ الگ قوموں کے درمیان فرق دیکھا جاتا ہے جس سے سمجھنے میں مشکلات درپیش آتی ہیں۔اشاروں کی زبان تحقیقی فکر میں بھی معاون نہیں ہوسکتی۔

اشاروں کی زبان میں گفتگو یا تحریر کی ضرورت نہیں پڑتی۔آنکھ، سر یا ہاتھ کے اشارے سے اپنے جذبات، احساسات اور خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے۔اس زبان کا استعمال بات چیت کے دوران، درس وتدریس کے وقت اکثر وبیشتر کیا جاتا ہے۔یہ زبان اپنے اندر بہت ہی وسعت رکھتی ہے۔اس میں ہر وقت اور ہر حالات کے مطابق "خاموش الفاظ" یعنی پر اثر اشارے موجود ہیں۔ماہرین السنہ کے مطابق اشاروں کی زبان، آوازوں اور علامتوں کی زبان سے زیادہ پرانی ہے۔

1.6.2 آوازوں کی زبان

ابھی آپ نے اشاروں کی زبان کے بارے میں پڑھا۔اشاروں کی زبان سماج میں آج بھی کثرت سے استعمال ہوتی ہے۔لیکن اشاروں کی زبان گفتگو کی جگہ نہیں لے سکتی۔آوازوں کی زبان کا مطلب یہ ہے کہ کوئی انسان دوسرے انسان کی آوازوں کو سن کر اس کے معنی سمجھتا ہے اور سیکھتا ہے۔ایک نوزائیدہ بچہ جو بھی سیکھتا ہے وہ اپنے ماں باپ، بھائی بہن و گھر کے افراد کی آوازوں کو سن کر سیکھتا ہے یعنی ابتدا میں وہ آوازوں کی نقل کرتا ہے۔انہیں آوازوں سے اس کو بولنے اور سننے کی تربیت ملتی ہے۔وہ اشیا کو پہچاننا شروع کر دیتا ہے۔اس طرح وہ زبان سیکھنے کا آغاز کرتا ہے۔اس کے بعد وہ گفتگو وتقریر جیسی دیگر مہارتوں پر عبور حاصل کرتا ہے۔فجائی آوازوں کے ذریعہ محبت، نفرت، خوشی، رنج جیسی کیفیات کا اظہار کرنا بھی سیکھتا ہے۔

آوازوں کی زبان کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آواز سن کر ہم کسی کی بات کا اندازہ لگا لیتے ہیں دودھ پیتے بچے کی رونے کی آواز کا مطلب یہ ہے کہ اسے بھوک لگی ہے یا پیاس کی شدت ہے۔ یونہی دیوار کے پیچھے سے کسی کی آواز سن کر یہ پتہ لگا لینا کہ وہاں کوئی موجود ہے، ایسے ہی کسی ضرورت مند کی خاص آواز کے ذریعہ اس کی پریشانی کا اندازہ لگانا وغیرہ۔

1.6.3 علامتوں کی زبان

کسی لفظ یا آواز کو جب ایک خاص علامت یا معنی میں استعمال کیا جانے لگتا ہے تو وہ لفظ یا آواز اس معنی کے لیے علامت بن جاتا ہے اور وہ تحریر کی شکل لے لیتا ہے۔ لیکن تحریر میں الفاظ بے جان اور بے حس رہتے ہیں۔ یہی الفاظ جب زبان سے ادا ہونے لگتے ہیں تو اس میں جان آجاتی ہے اور اس کی کیفیت ہی بدل جاتی ہے۔ تحریر میں لفظ کی صورت نہیں بدلتی مگر جب وہی الفاظ بول چال کے لیے استعمال ہونے لگتے ہیں تو موقع محل کے لحاظ سے اس کی صورت میں بدلاؤ دکھائی دیتا ہے۔ کبھی کبھی خاص نشانات جن کے کوئی معنی نہیں ہوتے مگر علامت کے طور پر استعمال کیے جانے سے ان کی اہمیت بڑھ جاتی ہے جیسے اسکول یا ریلوے پھاٹک کی نشان والی علامتیں، وغیرہ۔

بعض دفعہ عام بول چال میں لفظوں کے اتار چڑھاؤ سے بھی کئی طرح کی علامت ظاہر ہوتی ہے جیسے ''اچھا'' لفظ اگر نرمی سے بولا جائے تو رضامندی اور غصہ سے یا چیخ کر بلند آواز میں بولا جائے تو ناراضگی وانکار ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح رنج وخوشی، نفرت ومحبت، پریشانی وسکون جیسی کیفیت کے اظہار کے لیے مخصوص چہرے کی بناوٹ بھی ایک طرح کی علامت ہے۔

کسی لفظ یا آواز کو جب ایک خاص علامت یا معنی میں استعمال کیا جانے لگتا ہے تو وہ لفظ یا آواز اس معنی کے لیے علامت بن جاتا ہے۔ کبھی کبھی خاص نشانات جنکے کوئی معنی نہیں ہوتے علامت کے طور پر استعمال کیے جانے سے ان کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ جیسے پل یا ریلوے پھاٹک آنے سے پہلے کا نشان، ہاسٹل یا اسکول کی شناخت بتانے والی علامت وغیرہ۔

1.7 زبان کے افعال

انسانی زندگی میں زبان کی بہت اہمیت ہے۔ اس کے بغیر ہمارا کوئی بھی کام اچھی طرح تکمیل نہیں پا سکتا۔ گھر سے لے کر اسکول، بازار گویا کہ سبھی جگہ اس کی اہمیت مسلم ہے۔ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی دونوں جگہ مافی الضمیر کی ادائیگی، احساسات وخیالات کی ترجمانی کے لیے زبان اول مقام رکھتی ہے۔

ذیل میں زبان کے چند افعال ذکر کئے جاتے ہیں:

1.7.1 مافی الضمیر کے اظہار کا وسیلہ

انسان اپنی شب وروز کی زندگی میں مختلف حالات اور معاملات کا سامنا کرتا ہے، کبھی اس کے اچھے تجربات ہوتے ہیں تو کبھی برے دور

سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔ایسے میں اس کے احساسات وخیالات اور مشاہدات وتجربات کا اندازہ صرف اس کی زبان کے ذریعہ ہی لگایا جاسکتا ہے۔اور جب تک انسان اپنے مافی الضمیر کا اظہار زبان کے ذریعہ نہ کرے، ہم کسی بھی طرح سے اس پر گزرنے والے حالات، اس کے ذہن میں پیدا ہونے والے افکار وخیالات نہیں جان سکتے۔اس طرح سماجی، عوامی، قومی اور ملکی سطح کے مسائل سے باخبری بھی زبان کے ذریعہ ہی ہوتی ہے۔

1.7.2 رابطہ کا ذریعہ

انسان سماج میں پیدا ہوتا ہے، اور پوری زندگی سماج میں رہ کر گزار دیتا ہے۔کوئی بھی انسان سماج سے الگ ہو کر نہیں رہ سکتا۔اور سماج میں رہنے کے لیے ایک دوسرے سے رابطہ ہونا ضروری ہے۔ یہ رابطے کا کام صرف زبان کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔سماج کے دو فرد جب آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے کے خیالات واحساسات کو جانتے ہیں اور خیالات واحساسات کا ذریعہ اظہار صرف زبان ہی ہے۔

بعض لوگ سماج میں رہ کر سماج سے الگ رہتے ہیں مگر پھر بھی وہ اپنے گھر والوں، رشتہ داروں یا دوست واحباب سے جب ملتے ہیں تو آپسی ربط کا ذریعہ زبان ہی ہوتی ہے۔گھر میں تمام افراد کو ایک دوسرے سے رابطے میں رکھنے کا عمل زبان ہی انجام دیتی ہے۔ باہمی رابطے کے ذریعہ انسانی زندگی کے سارے مسائل حل ہوتے ہیں مثلاً سیر وسیاحت، درس وتدریس، خرید وفروخت، علاج ومعالجہ، کورٹ کچہری الغرض سبھی طرح کے معاملات میں رابطے کا ذریعہ زبان ہی ہوتی ہے۔

1.7.3 تمدن کی ترسیل کا وسیلہ

انسان کی آبادی کے ساتھ زبان کی ترقی بھی ہوتی رہتی ہے۔ جب انسان حالات اور ضروریات کی بنیاد پر غذا اور پرسکون رہائش کی تلاش میں مختلف سمتوں میں پھیل گیا تو مختلف ماحول میں مختلف زبانیں وجود میں آئیں اور نئی تہذیب وتمدن کی تشکیل بھی ہوتی گئی۔انسانی زبان پر اس کی تہذیب، طرز معاشرت اور طبعی ماحول کے بہت زیادہ اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں۔کسی بھی تہذیب وتمدن کی پہچان اس کی زبان سے ہوتی ہے۔اگر زبان پر تہذیب وتمدن کے اثرات ہیں تو وہ تہذیب وتمدن صدیوں باقی رہتی ہے۔ہم کہہ سکتے ہیں کہ یقیناً زبان اپنی تہذیب وتمدن کا جس میں وہ ارتقا پذیر ہوتی ہے ترجمان ومحافظ ہوتی ہے۔کسی بھی تہذیب وتمدن کی بقا اس میں ہے کہ ایک نسل سے دوسری نسل تک اس تہذیب وتمدن کو منتقل کیا جائے۔ تہذیب وتمدن، ادب وثقافت، سیاست وصحافت اور دیگر علوم وفنون کو نسلاً بعد نسل پہنچانے میں زبان کا سب سے اہم کردار ہوتا ہے۔اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ زبان کسی بھی تہذیب یا تمدن کی ترسیل کا سب سے بہترین ذریعہ ہے۔

1.8 بولی

بولی زبان کی ابتدائی شکل ہوتی ہے۔ جیسے جیسے اس کا استعمال بڑھتا ہے اس کے تلفظ، لہجے اور ذخیرہ الفاظ میں تبدیلی آنے لگتی ہے۔ جب

الگ الگ علاقے کے لوگ یکجا ہوکر کسی مقصد کو ظاہر کرنے کے لیے اپنی زبان میں، یا اشارے میں، یا کسی علامت یا لفظ کا استعمال کرتے ہیں تو اس جمگھٹ کے تمام افراد ایک ساتھ کچھ دنوں کی مدت گزارنے کے بعد ایک دوسرے کے اشارے اور زبان کو سمجھنے لگتے ہیں، تو ایسی صورت میں "بولی" وجود میں آتی ہے۔

اسٹرٹیونٹ(Sturtevant) کے مطابق:

"بولی کسی زبان کی وہ ذیلی شاخ ہے جس کے بولنے والے کو کسی لسانی اختلاف کا احساس نہیں ہوتا"

امریکی ماہر لسانیات وہٹنے (Whitney) کا نظریہ ہے کہ زبان جب مقبول ہوکر پھیلتی ہے تو اس سے کئی بولیاں جنم لیتی ہیں اور یہ بولیاں پھر کئی سالوں بعد کئی زبان کو پیدا کرتی ہیں۔

عام لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مخصوص جغرافیائی حدود میں بغیر اصول وقواعد کے عوامی ذریعہ اظہار کے لیے استعمال کی جانے والی بھاشا ہی بولی کہلاتی ہے۔اس میں پڑھے لکھے، ان پڑھ، چھوٹے بڑے سبھی بلا جھجک ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہیں۔ بولی کا دائرہ محدود ہوتا ہے۔ ماحول، علاقہ اور تمدن کی تبدیلی سے بولی بھی بدلتی رہتی ہے۔گیان چند جین اپنی کتاب 'لسانی مطالعۂ میں بولی اور زبان پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک زبان کے بولنے والوں میں جس قدر ملنا جلنا ہوگا اسی قدر ان کی بولی یکساں ہوگی۔یعنی جب بڑے علاقے میں بہت سارے لوگ بس جاتے ہیں تو ان کے درمیان زبان کے اختلاف پیدا ہوتے ہیں اور یہ اختلاف ایک زبان کو کئی بولیوں میں تقسیم کردیتا ہے۔زبان کا علاقہ جتنا بڑا ہوگا بولیاں بھی اتنی ہی زیادہ ہوں گی۔ بولی کی ایک خصوصیت یہ بھی دیکھی جاتی ہے کہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بولیوں میں فرق محسوس ہونے لگتا ہے۔زبان، بولیوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔کسی علاقے کی سب سے اہم بولی ہی ترقی کرکے معیاری زبان بنتی ہے۔

اگر ہم اردو زبان کی ہی مثال لیں تو اردو زبان کی پیدائش کے متعلق مختلف نظریات ماہر لسانیات نے پیش کیے ہیں۔کوئی کہتا ہے کہ یہ پنجابی بولی سے نکلی ہے تو کوئی دکنی بولی،کوئی ہریانوی تو کوئی کھڑی بولی سے اردو زبان کی پیدائش کی بات کرتا ہے۔لیکن ان ساری بولیوں میں کھڑی بولی معیاری بولی تھی۔اس لئے اکثر وبیشتر ماہر لسانیات اس بات پر متفق ہیں کہ اردو کھڑی بولی سے نکلی ہے۔

بولیوں کو اہمیت بخشنے میں کئی عناصر شامل ہوتے ہیں جو انہیں معیاری بنا کر زبان بنا دیتے ہیں۔ جیسے راجدھانی والے علاقے کی بولیاں معیاری ہوکر زبان بن جاتی ہے یا مذہبی برتری والے علاقے کی بولیوں کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔کبھی کبھی کسی زبان کا معیار کم ہونے لگتا ہے تو وہ پھر سے بولی بننے کے طرف گامزن ہوجاتی ہے اور دوسری زبان اس کی جگہ لے لیتی ہے۔

1.9 زبان

ماہر لسانیات کی نظر میں زبان سے مراد آوازیں ہیں جو منہ سے ادا کی جائیں اور سنائی دیں۔ زبان کے ذریعہ انسان اپنے خیالات، جذبات واحساسات کا اظہار سماج میں کرتا ہے۔سنہری سوٹ کے مطابق

''تکلمی آوازوں کے ذریعہ خیالات کے اظہار کرنے کو زبان کہتے ہیں"۔

ایک دوسرے ماہرلسانیات کا ماننا ہے کہ:

"زبان ملفوظ آوازوں کی وہ علامتیں ہیں جن کے ذریعہ ایک انسان دوسرے انسان پر اپنی خواہشات اور خیالات کو ظاہر کرتا ہے"۔

زبان کے ذریعہ انسان ایک دوسرے سے کلام کرتا ہے۔ انسان سماج میں رہتا ہے اور اسے ایک سماجی حیوان کہا جاتا ہے۔ زبان سماجی زندگی میں خیالات کے اظہار وترسیل کا بہترین ذریعہ ہے۔ اور یہی ضرورتیں زبان کو بیدار کرتی ہیں۔ دنیا کے ہر خطے میں کوئی نہ کوئی زبان پروان چڑھی۔ کیونکہ انسان کی سماجی، معاشی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے زبان کا سہارا ضروری ہے۔

پروفیسر انعام اللہ خاں شروانی فرماتے ہیں:

''زبان صرف انسان کے خیالات کے اظہار کا اہم اور مرکزی ذریعہ ہی نہیں بلکہ ایک نسل سے دوسری نسل کی تہذیب اور زبان منتقل ہو کر ملک میں اس کی کئی زبانیں اور بولیوں کے طور پر وجود میں آئیں۔ ہندوستان میں چھوٹی بڑی تقریباً 6000 زبانیں بولی جاتی ہیں اس لیے ہندوستان کو زبانوں کا گھر بھی کہا جاتا ہے۔''

دنیا کی کوئی بھی زبان اچانک وجود میں نہیں آتی ہے۔ بلکہ یہ طویل مرحلوں اور تہذیبی عمل کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اسی کے ذریعہ انسان کے شعور کی تربیت ہوتی ہے اور تہذیب پروان چڑھتی ہے۔ انسان جو غور وفکر کرتا ہے اس کے اظہار کے لیے زبان کا ہی سہارا لیتا ہے۔ زبان سیکھنا ایک اکتسابی عمل ہے جو انسان سماج میں رہ کر کرتا ہے۔ فرد کی نشو ونما کے ساتھ ساتھ زبان کا سیکھنا بھی جاری رہتا ہے جو اسے سماجی ماحول سے ملتا ہے۔ زبان کی تعلیم انسان کے نقطۂ نظر میں وسعت پیدا کرتی ہے۔

ہنری سوئم کے خیال میں آوازوں کے ذریعہ مفہوم کا ہر اظہار لازمی طور پر زبان نہیں کہلا سکتا۔ زبان لفظ نہیں بلکہ جملہ ہے۔ علمائے زبان نے زبان کی اکائی لفظ کو نہیں بلکہ جملہ کو قرار دیا ہے۔ زبان جب تک جملوں کے ادا کرنے کے مرحلے کو نہ پہنچے وہ خیال کے اظہار کا آلہ نہیں بن سکتی۔ جانوروں کی بولیاں اس مرحلے میں نہیں ہوتیں۔ وہ صرف آوازوں کے ذریعہ انفرادی تصورات کو ظاہر کر سکتی ہیں لیکن وہ آوازوں کو جوڑ کر مفہوم کو ظاہر نہیں کر سکتی۔

زبان بولی کی ہی ترقی یافتہ شکل ہے۔ جب کئی بولیاں آپسی ربط وضبط کی وجہ سے ایک نئی شکل اختیار کرتی ہے، تو کئی بولیاں بولنے والے لوگ اپنی بات اس نئی تشکیل شدہ بولی میں پیش کرتے ہیں اور یہ بولی عوام میں اس قدر مقبول ہوتی ہے کہ اس کے اصول وقواعد مرتب ہوتے ہیں، عوامی سطح پر اسے فروغ دینے کے لیے کتابیں وغیرہ تیار کی جاتی ہیں۔ اس کے حروف، رسم الخط اور ضابطے بنائے جاتے ہیں۔ شعرا و ادبا و مصنفین اپنی تخلیقات وتصانیف اسی زبان میں لکھتے ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ زبان اس بولی کی ترقی یافتہ شکل ہے جو چند بولیوں سے مل کر وجود میں آئی تھی۔

1.10 مادری زبان

مادری زبان کے ذریعے بچہ اپنے آس پاس کے ماحول سے اپنا پہلا رابطہ قائم کرتا ہے اور گھر وسماج کے افراد سے اپنے خیالات، احساسات وجذبات کا اظہار وترسیل کرتا ہے۔ تعلیمی اعتبار سے اگر مادری زبان پر غور کریں تو ہم اس زبان کو مادری زبان کہتے ہیں جس میں بچے کو پہلی رسمی تعلیم دی جاتی ہے۔ چونکہ بچہ مادری زبان کو آسانی سے بول سکتا ہے سن سکتا ہے اور سمجھ سکتا ہے اس لیے تمام ماہرین تعلیم اس بات سے متفق ہیں کہ بچوں کی شروعاتی تعلیم، مادری زبان میں دی جانی چاہیے تاکہ بچہ آسانی کے ساتھ سیکھ وسمجھ سکے اور پڑھ بھی سکے۔ ماہر نفسیات کی بھی رائے ہے کہ بچہ جس زبان پر پوری طرح سے عبور رکھتا ہے وہ مادری زبان ہے۔ اس لیے اسے مادری زبان میں تعلیم دینا آسان ہوگا اور اس سے اس کی شخصیت کی بھی نشو ونما ہوگی۔ مادری زبان میں بچہ اپنے جذبات واحساسات وخیالات کو با آسانی بیان کر سکتا ہے۔ مادری زبان بچوں کے اندر خود بخود اظہار وتفہیم کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔

سماجی اور سیاسی پہلوؤں سے بھی دیکھا جائے تو بچہ مادری زبان کے ذریعہ تہذیب وثقافت سے رابطہ آسانی سے قائم کر لیتا ہے۔ سماج کے اصول، زندگی کے اصول وغیرہ وہ آسانی سے سیکھ جاتا ہے۔ گفتگو وتحریر کا انداز اور طور طریقہ بھی آسانی کے ساتھ سیکھ لیتا ہے۔ تخلیقی وتحقیقی صلاحیت کا بھی فروغ مادری زبان کے ذریعہ آسانی سے ہو سکتا ہے۔ اس لیے مادری زبان کی حیثیت صرف ایک مضمون کی نہیں ہے بلکہ دیگر سبھی مضامین کی تعلیم سے ہے۔ مادری زبان کمرہ جماعت میں درس وتدریس کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ غیر تدریسی سرگرمیوں میں بھی مادری زبان پُر اثر ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے معلم درس وتدریس کے درمیان مادری زبان کی اہمیت کا ہمیشہ خیال رکھتا ہے۔

مادری زبان وہ زبان ہے جو بچے کے گھر میں، خاندان میں، دوستوں میں اور پڑوس میں بولی جاتی ہے۔ اس زبان کے ذریعہ بچہ اپنے داخلی وخارجی ماحول کو جانتا اور سمجھتا ہے۔ بچہ اس زبان کو اپنے ماں باپ، بھائی بہن، رشتہ دار اور ہمجولیوں سے آہستہ آہستہ سیکھتا ہے۔

پروفیسر غلام السدین کے مطابق:

"مادری زبان وہ ہوتی ہے جو بچہ اپنی ماں کے دودھ کے ساتھ پیتا ہے"۔

مادری زبان سے بچے کا جذباتی رشتہ ہوتا ہے اور اس زبان میں دی جانے والی تعلیم کو بچہ جلدی سیکھتا اور سمجھتا ہے۔ شروعاتی تعلیم بچوں کو مادری زبان میں آسانی سے دی جاسکتی ہے اور بچے آسانی سے تعلیم حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہوتے ہیں۔

مادری زبان کی مختلف خصوصیات دیکھنے کو ملتی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

a) مادری زبان ایک فطری زبان ہوتی ہے۔

b) بچوں کے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کو فروغ دینے میں مادری زبان اہم کردار ادا کرتی ہے۔

c) بچے اپنے خیالات، جذبات اور احساسات کو مادری زبان میں بہتر طریقے سے ادا کرتے ہیں۔

d) بچے مادری زبان کے ذریعہ آزادی سے اپنی زندگی کے بارے میں سوچ سکتے ہیں۔

e) مادری زبان ترسیل کا بہترین ذریعہ ہے۔

f) مادری زبان کے ذریعہ ہم اپنی تہذیب وتمدن کا تحفظ کرتے ہیں اوراس کی ترسیل بھی بہتر طریقے سے کرتے ہیں۔

g) بچے تصورات کو مادری زبان میں بہتر طریقے سے سمجھتے ہیں۔

h) مادری زبان کے ذریعہ ہی بچوں میں انفرادی، سماجی زندگی کیلئے دلچسپی پیدا کی جاتی ہے۔

i) مادری زبان کے ذریعہ ہم دوسری زبان کی تعلیم بھی بہتر طریقے سے سیکھ لیتے ہیں۔

j) زبان وادب کی صحیح تعلیم مادری زبان کے ذریعہ بہتر طریقے سے دی جاتی ہے۔

k) بچے پڑھنا، لکھنا، بولنا مادری زبان کے ذریعہ آسانی سے سیکھ جاتے ہیں۔

l) مادری زبان سے بچوں میں فکر ونظر کی بہتر نشو ونما ہوتی ہے۔

m) مادری زبان کے ذریعہ بچوں میں اخلاقیات اوراقدار کا فروغ آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔

n) بچوں کی شخصیت کی نشو ونما آسانی سے ہوتی ہے۔

o) بچے حقیقی زندگی کی ضروریات کو مادری زبان کے ذریعہ اچھے سے تکمیل کر لیتے ہیں۔

1.11 بولی اورزبان کے درمیان فرق

دینان اورمیکس مولر کا خیال ہے کہ زبان کا فطری ارتقا انشا سے اتحاد کی طرف ہے۔ابتدائی زمانہ میں انسانی بولیاں کئی ٹکڑوں میں تقسیم تھیں۔آگے چل کر یہ سب آپس میں مل جل گئیں اورایک زبان کی شکل میں گھ گئیں۔لیکن امریکی ماہر لسانیات اس نظریے کی مخالفت کرتے ہیں۔ان کی رائے ہے کہ زبان پہلے آئی اوروہ آہستہ آہستہ بولیوں میں بٹ گئی۔کچھ عرصے بعد یہ بولیاں خود زبان کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں۔اوران سے پھر بولیاں پیدا ہوتی ہیں۔زبانوں کی تاریخ اس کی سب سے بڑی گواہ ہے۔ ہند آریائی کی تاریخ کے مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زبانیں کس طرح بولیوں کو جنم دیتی گئیں۔

لسانی تاریخ میں یہ واقعہ عام ہے کہ بولیاں ایک دوسرے سے جدا ہوکر مختلف زبانیں بن جاتی ہیں اورایسا بھی ہوتا ہے کہ زبان زوال پذیر ہوکر محض بولی رہ جاتی ہے۔ برج اوراودھی کوعہد وسطیٰ میں زبان کا درجہ حاصل تھا اب وہ ہندی کی بولیاں ہوگئی ہیں۔زبان اور بولیاں ایک دوسرے کو متاثر بھی کرتی ہیں جیسا کہ ہندی پر ہریانی کا اثر یعنی علاقائی بولیاں زبان پر اثر ڈالتی ہیں۔بولیوں میں حرکی زندگی ہوتی ہے اور یہ ارتقا پذیر ہوتی ہے جبکہ زبان قواعد کی پابند ہوکر رہ جاتی ہے۔روزمرہ کی زندگی سے الگ ہوکر روایت پسند ہوجاتی ہے۔لوگ عام زندگی میں عموماً گفتگو تو بولی ہی میں کرتے ہیں جبکہ زبان کا استعمال خاص طور پر معیاری گفتگو کے لیے کرتے ہیں۔لوگ باہر بھلے ہی معیاری زبان میں بات کرتے ہیں مگر گھر آکر وہ

بولی کا ہی استعمال کرتے ہیں۔

زبانیں ادب کے لیے الجھ کر رہ جاتی ہیں۔ کبھی کبھی لغت اور قواعد کے احترام میں پھنس کر مر بھی جاتی ہیں۔ جیسے ہندوستان میں سنسکرت، مگر بولیاں زندہ رہتی ہیں کیونکہ ان پر کسی طرح کے اصول کی پابندی نہیں ہوتی۔ بولی میں علاقہ در علاقہ بدلاؤ دیکھا جاتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ بارہ کوس کے بعد پانی اور بانی (آواز) بدل جاتی ہے۔ مگر زبان کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا۔ اس کا پھیلاؤ ایک وسیع علاقے میں ہوتا ہے اور اس میں بدلاؤ وقت کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔

بولی اور زبان کے فرق کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ زبان کا دائرہ وسیع ہوتا ہے اور بولی کا محدود ہوتا ہے۔ زبان کے بولنے والوں کی تعداد دور دور تک پھیلی ہوتی ہے۔ جبکہ بولی بولنے والوں کے خاص جغرافیائی حدود اور علاقے ہوتے ہیں۔ اس طرح ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ایک زبان کے علاقے میں کئی بولیاں بولی جاتی ہیں، لیکن ایک بولی والے علاقے میں کئی زبانیں نہیں ہوسکتیں۔ زبان سے ادبی تخلیق کا کام لیا جاتا ہے، اس کے اپنے رسم الخط، حروف، اصول وضابطے ہوتے ہیں۔ شعرا و ادبا و مصنفین اپنی تخلیقات میں جذبات واحساسات اور تجربات کے اظہار کے لیے اس کو ذریعہ بناتے ہیں۔ جبکہ بولی کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔

زبان اور بولی میں ایک نمایاں فرق یہ بھی ہے کہ تعلیمی، انتظامی، عدالتی، سیاسی اور تہذیبی شعبوں میں زبان کا ہی استعمال ہوتا ہے، بولی کا نہیں۔ کیونکہ بولی محدود ہوتی ہے، اس میں اظہار کی نہیں بلکہ الفاظ کی کمی رہتی ہے۔ ہر زبان کا اپنا رسم الخط ہوتا ہے، وہ لکھی اور پڑھی جاتی ہے جبکہ بولی نہ لکھی جاتی ہے نہ پڑھی جاتی ہے۔

1.12 انسانی زندگی میں زبان کی اہمیت

زبان قدرت کا انمول تحفہ ہے۔ انسانی زندگی میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ بچہ روز مرہ کی زندگی میں اپنے گھریلو ماحول میں بہت سی باتیں اپنے تجربات سے سیکھ کر زبان سے ظاہر کرتا ہے۔ اس شروعاتی دور میں زبان میں قواعد کی کوئی پابندی نہیں ہوتی ہے یہ خیالات وجذبات کے اظہار کا سب سے بہتر ذریعہ ہے۔ اس کی مدد سے علوم وفنون کو حاصل کیا جاتا ہے، اور نئی نسلوں تک پہنچایا جاتا ہے۔ زبان کے ذریعہ ہی شاعری اور ادب کا رتبہ و مقام ہے۔ سماجی، قومی وملکی اتحاد کا اہم ذریعہ زبان ہے۔ انسان کے دل میں بے شمار جذبات ہوتے ہیں جیسے نفرت، محبت، سکھ دکھ، خوشی غم، ڈر جھجک خوف وغیرہ۔ ان کے اظہار کے لیے وہ بے چین رہتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے تجربات ومشاہدات سے دوسروں کو آگاہ کرنا چاہتا ہے، ایسے میں صرف زبان کے ذریعہ ہی اپنی خواہشات کی تکمیل کرسکتا ہے۔

زندگی کے ہر شعبے میں خواہ وہ سماجی، سیاسی، معاشرتی، مذہبی یا علمی وادبی ہو، اس میں زبان کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ ساری دنیا کی خبریں، نئی معلومات، مختلف ملکوں اور علاقوں کی تہذیب وثقافت سے واقفیت زندگی کے اچھے برے تجربات، مختلف مذاہب کے لوگوں کے بارے میں جاننا، ان کے عقیدوں اور مذہبی رسومات وغیرہ کو جاننا یہ سب زبان کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ زبان انسانی زندگی کا سب سے قیمتی اثاثہ ہے۔

انسانی زندگی کی ارتقااورترقی میں زبان کا کردار بہت ہی اہم ہے۔

زبان کے ذریعہ ہی بچوں کی بہترنشوونما ہوتی ہے۔انہیں علوم وفنون سے آراستہ کرنے میں سب سے زیادہ زبان ہی مددگار ہوتی ہے۔ زبان کے ذریعہ ہی انسان کے عقل اور وجدان فروغ پاتے ہیں۔سماج کی تشکیل اور انسانیت کی تعمیر بھی زبان کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔کاروبار، تجارت،عدلیہ،انتظامیہ ہرجگہ زبان کے ہی جلوے نظرآتے ہیں۔

مادری زبان بچوں میں توجہ کے ساتھ سننے سمجھنے کی اہلیت پیدا کرتی ہے۔بچہ جوکچھ بھی سمجھتا ہے اسکا اظہاروہ اپنی مادری زبان میں کرتا ہے۔ مادری زبان سکھانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بچہ جوکچھ بھی دیکھ کر،سن کر یا تجربے سے سیکھے اسے اپنے بیان میں یا تحریر میں لا سکے۔بیان کرتے وقت وہ تلفظ کا صحیح استعمال کرسکے۔لب ولہجہ نفیس ہواورطرز بیان سادہ ہو۔آواز میں اتار چڑھاؤ مناسب انداز میں ہو۔موقع اوروقت کے حساب سے لہجہ کو بنائے رکھے۔بات چیت کے درمیان بھی وہ اپنے لب ولہجہ کومناسب طریقے سے استعمال کرے۔تحریری شکل میں بھی قواعد کی پابندی، املا کی درستگی صحیح کرنے میں مادری زبان مددگارثابت ہوتی ہے۔مادری زبان ناصرف ہمیں لکھنے پڑھنے میں مددکرتی ہے بلکہ بچوں میں سماجی شعور پیدا کرنے میں بھی کافی اہم رول ادا کرتی ہے۔مادری زبان کے ذریعہ بچہ بہت ہی آسانی سے تعلیم حاصل کرسکتا ہےاورکوئی دوسری زبان بھی سیکھنا بہت آسان ہوتا ہے۔مادری زبان چونکہ پیدائشی زبان ہوتی ہے اسلئے بچوں کو ذہن نشیں کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔مادری زبان کے ذریعہ تعلیم دینے سے بچوں میں تعلیم کے لئے ذوق وشوق بھی پیدا ہوتا ہے اسلئے مادری زبان بچوں کی تعلیم میں بہت ہی کارآمد ہے۔آج کے ترقی یافتہ دور میں سیکھنے کے لئے بہت سے وسائل دستیاب ہیں جن میں کمپیوٹر،ریڈیو،ٹیلی ویژن وغیرہ خاص کرکمپیوٹر کا رول کافی اہم ہوگیا ہے۔پھربھی مادری زبان کی اہمیت کم نہیں ہوئی، کیونکہ ان سبھی چیزوں کو بہترطریقے سے سیکھنے میں بھی مادری زبان کا بہت اہم رول رہتا ہے۔

1.13 یادرکھنے کے نکات

انسان اورسماج کے درمیان ایک اٹوٹ رشتہ ہے۔انسان پہلے اکیلا رہتا تھا پھرخاندان وجود میں آیا تو اسے ایک دوسرے سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔پھراپنی ضروریات کو پورا کرنے اورزندگی گزارنے کے لیے ایک دوسرے سے ملنا جلنا شروع کیا جس سے آپسی تعلقات پیدا ہوتے گئے۔پہلے انسان نے اشارات اورحرکات کے ذریعہ آپس میں رابطہ قائم کیا۔بعد میں یہی اشارات اورحرکات بولی اورزبان کی شکلیں اختیار کرتی گئیں۔اس اکائی کے پڑھنے کے بعداب ہم یہ سمجھ گئے ہیں کہ زبان کسے کہتے ہیں؟ بولی کیا ہے؟ بولی اورزبان کے درمیان فرق کیا ہے؟ زبان کے کون کون سی اقسام ہیں؟ مادری زبان کسے کہتے ہیں؟ ہمارے زندگی میں بولی، زبان، اور مادری زبان کی کیا اہمیت اور ضرورت ہے؟

1.14 اپنی معلومات کی جانچ

1) زبان کسے کہتے ہیں؟

2) زبان کی خصوصیات کو بیان کریں؟

3) زبان کی فطرت کے بارے میں لکھیں؟

4) زبان کی اقسام کو بیان کریں؟

5) زبان کے افعال کو بیان کریں؟

6) مادری زبان سے کیا مراد ہے؟

7) زبان کی کتنی قسمیں ہوتی ہیں؟

8) بولی اور زبان میں کیا فرق ہے؟

1.15 سفارش کردہ کتابیں

1) ڈاکٹر ریاض احمد۔ اردو تدریس، جدید طریقے اور تقاضے۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 2003

2) زبیدہ حبیب۔ تدریس اردو۔ ادبستان پبلی کیشن، دہلی۔ 2012

3) عمیر منظر۔ اردو زبان کی تدریس اور اس کا طریقہ کار۔ شپرا پبلی کیشن۔ 2009

4) علی رفاد فتیحی۔ اردو لسانیات۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان۔ نئی دہلی۔ 2013

5) ڈاکٹر گیان چند جین۔ لسانی مطالعہ۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان۔ نئی دہلی۔ 1973

6) مرزا خلیل احمد بیگ۔ اردو کی لسانی تشکیل۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس۔ علی گڑھ۔ 2011

7) محی الدین قادری زور۔ ہندوستانی لسانیات۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس۔ علی گڑھ۔ 2005

8) معین الدین۔ اردو زبان کی تدریس۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان۔ نئی دہلی۔ 1983

9) پروفیسر انعام اللہ خاں شروانی۔ تدریس زبان اردو۔ آفسٹ آرٹ پرنٹرس۔ کلکتہ۔ 1989

10) اردو کی تدریس۔ نظامت فاصلاتی تعلیم۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

اکائی ۔2۔ اُردوزبان وادب

ساخت:

2.1 تمہید

2.2 مقاصد

2.3 ادب:مفہوم وتعریف،ادب اورزندگی کارشتہ

2.4 اصناف ادب اُردو،نثر ونظم ۔نثر ونظم کے درمیان فرق

2.5 اصناف نثر: داستان،ناول،افسانہ،ڈرامہ،سوانح نگاری ومکتوب نگاری وغیرہ۔

2.6 اصناف نظم: غزل،مثنوی،قصیدہ،مرثیہ،رباعی،آزادنظم،نظم اورغزل کے درمیان فرق

2.7 اُردوزبان کے آغاز وارتقاکے سلسلہ میں مختلف نظریات: 1) محمدحسین آزاد 2) مسعودحسین خان

2.8 یادرکھنے کےنکات

2.9 اپنی معلومات کی جانچ

2.10 سفارش کردہ کتابیں

2.1 تمہید

اُردوزبان وادب کی مختلف انداز سے تعریف کی گئی ہے۔کسی نے اردوادب کوزندگی کا ترجمان کہا ہےتوکسی کے خیال میں ادب زندگی کی ترجمانی ہی نہیں کرتا بلکہ زندگی کی تنقید بھی کرتا ہےاوراس کی تفسیر بھی پیش کرتا ہے۔اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ادب اس تحریرکو کہتے ہیں جس میں روز مرہ کے خیالات سے بہترین خیالات اورروزمرہ کی زبان سے بہتر زبان کا سہارا ہوتا ہے۔انسان دنیا میں جوکچھ دیکھتا ہے،جوتجربے حاصل کرتا ہے جو سوچتا ہےاس کے ردعمل کا اظہارادب کی شکل میں کرتا ہےاس طرح ادب انسانی تجربات کا نچوڑ پیش کرتا ہےاورانسان زندگی کے وسیع ترین مسائل کا احاطہ کرتا ہےاوراس کے ذریعہ پروان چڑھتا ہے۔

2.2 مقاصد

- ☆ اردو زبان و ادب کے معنی و مفہوم بتلانا۔
- ☆ ادب و زندگی کا رشتہ بتلانا۔
- ☆ اصناف ادب کو بتلانا۔
- ☆ اردو نثر و نظم کی قسموں کو بتلانا۔
- ☆ نظم و نثر میں پائے جانے والے فرق کو بتلانا۔
- ☆ اردو زبان کے آغاز و ارتقا سے متعلق مختلف ماہرین لسانیات کے نظریات کو بتلانا۔
- ☆ آئین ہند میں اردو کے مقام کو بتلانا۔

2.3 ادب: مفہوم و تعریف، ادب اور زندگی کا رشتہ

فطرت نے کائنات میں بے شمار خوبصورت چیزیں پیدا کی ہیں۔ جب انسان اس کائنات کے حسین مناظر کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں تخلیق کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ تخلیق کرتا ہے یہی تخلیق ''فن'' کہلاتا ہے۔ وہ فنون جو روحانی فطرت اور انسانی ذوق' آرائش و جمال کی تسکین کے لیے وجود میں آتے ہیں ''فنون لطیفہ'' کہلاتے ہیں۔ فنون لطیفہ کی پانچ قسمیں ہیں:

1) فن تعمیر

2) سنگ تراشی

3) مصوّری

4) موسیقی اور

5) ادب

جرمنی کے مشہور مفکر ہیگل نے مادی وسائل کے استعمال کے لحاظ سے فنون لطیفہ کی درجہ بندی کرتے ہوئے ادب کو سب سے بلند درجہ دیا ہے۔

انسان دنیا میں جو کچھ دیکھتا ہے جو حاصل کرتا ہے جو سوچتا ہے اور سمجھتا ہے اس کے ردعمل کا اظہار ادب کی شکل میں کرتا ہے۔ اس طرح ادب انسانی تجربات کا نچوڑ پیش کرتا ہے اور انسانی زندگی کے وسیع ترین مسائل کا احاطہ کرتا ہے اور اسکے ذریعہ پروان چڑھتا ہے۔ ادب چاہے کسی بھی ملک و قوم کا ہو اس میں انسانوں کے ذریعہ کی گئی مادی اور غیر مادی چیزوں کی ترقی ہوتی ہے۔ مادی چیزوں سے مراد۔ اوزار، ہتھیار، لباس وغیرہ جب کہ غیر مادی چیزوں سے مراد: فلسفہ، آرٹ اور ادب ہے۔ مادی چیزیں کافی تیزی سے ترقی کرتی ہیں جبکہ غیر مادی چیزوں کی ترقی میں وقت درکار ہوتا ہے۔ مادی اور غیر مادی چیزوں کی ترقی کلچر کہلاتی ہے۔ لہٰذا ادب اور زندگی کا آپسی رشتہ براہ راست ہوتا ہے۔

2.4 اصناف ادب اُردو

(1) نثر:

ادب میں شاعری کی طرح نثر کو بھی ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔روزمرہ زندگی کی عام بول چال یا زبان کو ہم نثر کہتے ہیں۔جو زبان تحریر میں آتی ہے وہ ادبی معیاری زبان ہوتی ہے۔اُردو نثر کو ادبیت کی راہ پر ڈالنے والے اسے نئی جہت سے روشناس کرانے والے ''ملّا وجہی'' ہیں ان کی تصنیف ''سب رس'' کو اردو کا اولین ادبی نمونہ قرار دیا گیا ہے۔

اُردو نثر کو نشو ونما اور اس کے فروغ دینے میں مختلف اداروں اور تحریکوں نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ان اداروں میں فورٹ ولیم کالج کو خصوصی اہمیت حاصل ہے جس نے اردو نثر کو ادبی اظہار کی راہ دکھائی۔اُردو نثر کی ترقی کا کام یوں تو فورٹ ولیم کالج میں نمایاں طور پر ہوا لیکن اس زمانے میں فورٹ ولیم کالج کے باہر بھی نثری ادب کا قابل قدر کام ہوا جس میں سب سے اہم انشا کی رانی کیتکی کی کہانی۔مولوی محمد حسین آزاد کی تصنیف ''دریائے لطافت'' مرزا رجب علی بیگ سرورؔ کی تصنیف ''فسانۂ عجائب'' گلزار سرور' انشائے سرور اور فسانہ عبرت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ فورٹ ولیم کالج کے بعد سرسید احمد خان کی تحریک نے اسکو اور بھی پروان چڑھانے کا بیڑا اُٹھایا۔علی گڑھ تحریک نے جہاں مسلمانوں میں سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی شعور بیدار کیا وہیں اُردو نثر نگاری کو قدیم اور فرسودہ روایتوں سے نکال کر نئے رجحانات' نئی راہوں سے متعارف کروایا۔انشا پردازی،صحافت،ناول،تاریخ اور سوانح نگاری وتنقید نگاری اردو ادب میں داخل ہوئے۔

ذیل میں چند مصنفین کے نام دیے گئے ہیں جنھوں نے اردو نثر کو فروغ دیا ہے:

1) سرسید احمد خان — آثار الصنادید، اسباب بغاوت ہند، مضامین سرسید
2) شبلی نعمانی — الفاروق، المامون، سیرت النبی (پانچ جلدیں) موازنۂ انیسؔ و دبیرؔ
3) الطاف حسین حالیؔ — مقدمہ شعروشاعری، حیات جاوید، یادگار غالبؔ حیات سعدیؒ
4) ذکاءاللہ — ریاضیات، طبعیات، جغرافیہ، علم الاخلاق
5) محمد حسین آزادؔ — دریائے لطافت، آب حیات

نثر کی عموماً دو صورتیں ہوتی ہیں: 1) زبان 2) ادب

نثر کی اقسام: نثر کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

نثر

مسجع — مُرجز — عاری

مسجع : اس نثر کو کہتے ہیں جسمیں قافیہ اور فقرے بکثرت ملتے ہیں۔

مرجز : یہ نثر کی ایسی قسم ہے جس میں ہم وزن اور ہم قافیہ فقرے کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔

عاری : ایسی نثر کی قسم ہے جس میں دونوں صفات سے خالی ہوں نہ مسجع اور نہ مرجز بلکہ سادہ عبارت میں تحریر کی جائے۔

2.5 اصناف نثر: داستان، ناول، ڈرامہ، افسانہ، سوانح نگاری وغیرہ

داستان:

کہانی کہنا اور کہانی سننا انسانی فطرت میں داخل ہے۔ یہ تفریح اور وقت گزاری کا ذریعہ بھی ہے۔ جس کے ذریعہ انسان اپنی انا کو تسکین دیتا ہے۔ پریشان حال انسان سکون وراحت کو ترستا ہے۔ انسان کہانی کے ہیرو کو کامیاب ہوتا دیکھنا چاہتا ہے۔ کیوں کہ تھوڑی دیر ہی سہی ہیرو کی کامیابی کو اپنی کامیابی سمجھتا ہے۔ کہانی کار کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ کہانی کو دلچسپ بنائے تاکہ لوگ اس سے مایوس نہ ہوں۔ غرض کہانی کار کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ کسی طرح سے بھی لوگوں کے دل کو بہلائے۔ کبھی جانوروں پر کہانی بیان کر کے اخلاقی نصیحت کا کوئی پہلو پیش کیا جاتا ہے۔ کبھی تمثیلی انداز میں قصہ بیان کر کے اخلاقی اصلاح کی کوشش کی جاتی ہے۔ ''سب رس'' تمثیلی طرز کی بہترین مثال ہے۔

کہانی کی ابتدائی شکل' داستان وہ رومانی کہانی ہے جس میں خیالی واقعات کو بیان کیا جاتا ہے۔ حسن وعشق کی رنگینیاں واقعات وحادثات کی عکاسی کہانی کار پیش کرتا ہے اور اپنے قاری کو راحت ومسرت کا سامان فراہم کرتا ہے تاکہ قاری داستان سے ہمیشہ کے لیے وابستہ ہو جائے۔

ناول نگاری:

اردو میں ناول مغربی ادب سے آیا۔ فنی اعتبار سے ناول کے اجزائے ترکیبی میں پلاٹ، کردار، مکالمہ، منظر نگاری اور نظریہ حیات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اردو ناول کی ابتدا کے بارے میں مختلف خیالات ملتے ہیں۔ اس سلسلے میں مولوی کریم الدین کے ناول خط تقدیر سرشارؔ کا ناول فسانۂ آزاد، ہادی محمد رسوا کا شاہکار امراؤ جان اداؔ کے نام قابل ذکر ہیں۔ لیکن عام طور پر اردو کا پہلا ناول نگار ڈپٹی نذیر احمد کو قرار دیا گیا ہے۔ توبتہ النصوح اور ابن الوقت ان کے شہرۂ آفاق ناول ہیں۔ اردو کے دوسرے ناول نگار سرشارؔ ہیں ان کے ناولوں میں حقیقت اور تخیل کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ اس ناول کے ذریعہ سرشار نے لکھنؤ کے زوال آمادہ تمدن کی عکاسی کی ہے۔ تیسرے ناول نگار عبدالحلیم شررؔ ہیں ان کے یہاں تاریخی پہلو ملتا ہے۔ فردوس بریں اور بغداد کی حسینہ اُن کے معروف ناول ہیں۔

افسانہ:

اردو زبان میں افسانہ مغربی ادب کی دین ہے۔ اور یہ ایک جدید صنف ہے۔ افسانے سے پہلے ناول قصے وغیرہ لکھے گئے 19 ویں صدی کے آخر میں صنعتی انقلاب کے باعث انسانی زندگی میں خاص تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ انسان کی مصروفیات بہت بڑھ گئیں۔ فرصت کے لمحات کم رہ گئے تو ایک ایسی صنف ادب کی ضرورت محسوس ہوئی جو کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ تسکین پہنچا سکے۔ اس وقت تک رسالہ اور اخبار بھی کثیر تعداد میں چھپنے لگے تھے۔ ان کے لیے بھی دلچسپ کہانیوں کی ضرورت محسوس کی گئی جو مختصر ہو لہٰذا افسانے کو فروغ حاصل ہوا۔

2.6 اصناف نظم:

نظم اور نثر میں فرق

نظم لفظ منظّم سے ہے اس کے معنی ترتیب دینا اور موتیوں کو لڑی میں پرونے کے ہیں۔نظم میں شاعر حضرات اپنے جذبات کا اظہار شاعری سے کرتے ہیں۔نظم اردو ادب کی ایک اہم صنف ہے۔اجزائے نظم میں شعر، قافیہ، ردیف، مطلع اور مقطع شامل ہیں۔نظم کی بے شمار اصناف ہیں جن میں حمد،نعت،غزل،مرثیہ،شہر آشوب' پیروڈی اور نظم و گیت بھی شامل ہیں۔نثر نظم سے ادنیٰ درجہ کی شئے ہے اس میں ادیب اور شاعر حضرات تحریر کی صورت میں اپنے خیالات و جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔یہ خیالات و جذبات کے اظہار کا سیدھا سادہ اور بے تکلف اور قدرتی طریقہ ہے اور بات چیت اور تحریر و تقریر میں نثر کا استعمال ہوتا ہے۔اصناف نثر میں داستان، ناول، ڈرامہ، افسانہ، مضمون، مقالہ، سوانح عمری، انشائی، آپ بیتی، خاکہ سفرنامہ طنز و مزاح اور صحافت شامل ہے۔نثر یا نظم میں صرف اور صرف آپ کے وہ جذبات اور احساسات شامل ہوتے ہیں جو جب اندر سے باہر کا رخ کرتے ہیں تو انھیں الفاظ کا سہارا لینا پڑتا ہے مگر ان الفاظ کو نظم منظّم کر کے پیش کرتی ہے اور نثر بے تکلفانہ انداز میں بیان کر دیتی ہے۔

نظم	نثر
☆ نظم کے لغوی معنی لڑی میں موتی پرونا ہوتا ہے	☆ جبکہ نثر کے معنی پراگندہ کرنے یا بکھیرنا ہوتا ہے
☆ جذبات کا اظہار کرنا	☆ نثر میں ادب روانی کے ساتھ پیش کرتے ہیں
☆ نظم کی جمالیات کی شناخت کرنا	☆ نثر میں کسی بات کو بے تکلفانہ انداز میں پیش کرتے ہیں
☆ نظم کلام منظوم ہے	☆ نثر میں عام انداز میں گفتگو کی جاتی ہے
☆ عام طور پر قافیہ ہوتا ہے	☆ نثر میں جملے کا مختصر ہونا ضروری نہیں ہے
☆ نظم میں وزن ہوتا ہے	☆ نثر میں وزن نہیں ہوتا ہے اور نثر میں قافیہ نہیں ہوتا ہے
☆ نظم پڑھنے والے کو مسرت پہونچانے کی کوشش کرتی ہے	☆ بہتر انداز میں گفتگو کر سکتے ہیں
☆ نظم بنیادی طور پر دل کی گہرائیوں سے تعلق رکھتی ہے	☆ عام طور پر جو زبان بولی جاتی ہے اسکو ہم نثر کہتے ہیں
☆ نظم میں جذبہ مستعمل رکھتا ہے	☆ نثر ہماری زندگی کی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں

☆ نظم میں زندگی کے تخیل کے عمل سے گزار کر اپنے آپ رنگ باقی رکھتی ہے

☆ نظم کا موضوع ادبی ہوتا ہے

☆ لسانی مہارتوں کو حاصل کرنا

☆ نظم میں شاعر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں

☆ نظم میں احساسات اور جذبات کو منظّم کر کے پیش کرتے ہیں

☆ نظم میں قصیدہ، مثنوی، مرثیہ اور رباعی آتے ہیں

☆ اصطلاح عام میں کسی چیز کی منظّم آرائش یا ترتیب کو بھی نظم کہتے ہیں

☆ نظم میں وزن کا خیال رکھا جاتا ہے

☆ نظم کے سارے مصرعے ایک ہی بحر میں ہوتے ہیں

☆ نظم میں ایک مرکزی خیال ہوتا ہے۔

☆ نثر ادبی اظہار کی راہ دکھاتا ہے

☆ اصطلاح میں اس کلام کو نثر کہتے ہیں جس کو نظم کے مقابلے میں پیش کیا جاتا ہے

☆ روزمرہ زبان کو فروغ دیتا ہے

☆ نثر کے ذریعہ اظہار خیال کا علم ہوتا ہے

☆ نثر میں جذبہ عارضی مہمان کی طرح دکھائی دیتا ہے

☆ نثر میں داستان، ناول نگار، ڈرامہ، افسانہ اور انشائیہ آتے ہیں

☆ نثر حقیقت کے تقاضوں کے برعکس گویائی کی اسیر ہے

☆ نثر براہ راست ہوتا ہے

☆ نثر میں کسی بحر وغیرہ کا خیال نہیں کیا جاتا

☆ نثر ذہن کی گہرائیوں سے تعلق رکھتی ہے

﴿نظم کی اصناف﴾

1) حمد 2) نعت 3) مثنوی 4) مرثیہ 5) قصیدہ 6) رباعی

(1) حمد : اللہ کی تعریف میں کہی جانے والی نظم کو ''حمد کہتے ہیں''

(2) نعت : سرورِ کائنات حضور ﷺ کی تعریف میں لکھے جانے والی نظم کو ''نعت'' کہتے ہیں۔

(3) مثنوی : اصناف سخن کی ایک صنف مثنوی ہے جس میں شاعر مسلسل کوئی قصہ بیان کرتا ہے۔ شاعری میں مثنوی کو مقبولیت لکھنؤ سے ملی۔ سحر البیان میر حسنؔ نے مثنوی میں جان ڈال دی ہے۔ ملا وجہی کی مثنویاں جو دکنی زبان میں لکھی گئیں اُن کے نام زہر عشق اور گل بکاؤلی ہیں۔

(4) قصیدہ : اصناف سخن کی ایک صنف قصیدہ ہے جس میں شاعر بادشاہوں کی تعریف میں قصیدہ بیان کرتا ہے اور انعام واکرام حاصل کرتا تھا۔ اردو ادب میں قصیدہ نگاری کی ابتدا قلی قطب شاہ سے ہوئی۔ دہلی میں سوداؔ قصیدہ کا سب بڑا شاعر مانا جاتا ہے۔ بعد میں ابراہیم ذوقؔ غالبؔ مشہور قصیدہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔

(5) مرثیہ : اصناف سخن کی ایک صنف مرثیہ بھی ہے جس میں شاعر کسی تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مرثیہ مرنے والوں کے رنج وغم میں لکھا جاتا ہے شہدائے کربلا کے واقعات کو مرثیہ میں بیان کیا جاتا ہے، لکھنؤ میں مرثیہ گوئی کی ابتدا میر انیس اور مرزا دبیر نے کی۔ امام حسینؑ کی شہادت کے واقعہ کو مرثیہ میں بڑی خوبی سے بیان کیا جاتا ہے۔ واقعہ کی منظر کشی، سلاست، روانی اور دلکش انداز مرثیہ میں جان ڈال دیتے ہیں۔

(6) رباعی : اصناف سخن کی ایک صنف رُباعی بھی ہے۔ رباعی عربی لفظ ربع سے مشتق ہے ربع کے معنی چار کے ہیں۔ چونکہ رباعی میں چار مصرعے ہوتے ہیں اس لیے اسے رباعی کہا جاتا ہے۔ رباعی کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتا ہے۔ تیسرے مصرعہ میں قافیہ کا استعمال نہیں کیا جاتا۔ چوتھا مصرعہ رباعی کی جان ہوتا ہے۔ رباعی گو شعرا میں امجد حیدر آبادی نے کافی شہرت حاصل کی۔

2.7 اُردو زبان کے آغاز و ارتقا سے متعلق مختلف نظریات

کسی بھی زبان کے عروج وارتقا کی داستان اس قوم کی تہذیب و معاشرت کے ارتقا سے وابستہ ہوا کرتی ہے۔ اس کی نشو و نما کسی خاص وقت پر نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی شکل اختیار کرنے سے پہلے مختلف مراحل سے ہو کر گزرتی ہے۔ اس کے روپ رنگ اور سلیقہ مند بنانے میں مختلف عوامل کار فرما ہوتے ہیں۔ اردو زبان جو آج دنیا کی چند ترقی یافتہ اور کثرت سے بولی جانے والی زبانوں میں سے ایک ہے، اسے بھی وجود میں آنے کے لیے مختلف مراحل سے گزرنا پڑا۔

ماہر لسانیات کے مطابق: اس زبان کا اصل سرچشمہ کونسی زبان ہے اس کا خمیر کس علاقے کی مٹی سے تیار ہوا، ان سوالات کا کوئی قطعی جواب دینا مشکل ہے۔ کیوں کہ اس سے متعلق کوئی دستاویزی ثبوت مہیا کرنا مشکل امر ہے۔ البتہ ماہرین لسانیات نے اس کے ارتقا کے مختلف پہلوؤں پر دستاویزی ثبوتوں کی روشنی میں اپنے خیالات و نظریات پیش کیے ہیں۔

نظریہ محمد حسین آزاد:

محمد حسین آزاد نے اردو کا ابتدائی سرچشمہ برج بھاشا کو قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ''اتنی بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہماری زبان برج بھاشا سے نکلی ہے اور برج بھاشا ہی خالص اردو زبان ہے۔''

ہوسکتا ہے کہ یہ بات آزاد نے رواروی میں لکھ دی ہو کیوں کہ وہ ماہر لسانیات نہیں تھے اور نہ ہی زبان کی نزاکتوں سے انھیں بہت زیادہ واقفیت حاصل تھی پھر بھی ایک زمانے میں ان کے اس نظریہ کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔

میر امن دہلوی، سر سید احمد خان، امام بخش اور سید شمس اللہ قادری نے بھی برج بھاشا کو ہی اردو کی اصل قرار دیا ہے۔

سید قادری لکھتے ہیں: ''مسلمانوں کے اثر سے برج بھاشا میں عربی و فارسی الفاظ داخل ہونے لگے جس کے باعث اس میں تغیر شروع ہوا جو روز بروز بڑھتا گیا اور ایک عرصہ کے بعد اردو زبان کی صورت اختیار کر لی۔''

ماہرلسانیات روڈولف ہیورنلے نے بھی آزادی سے پہلے اپنا نظریہ پیش کیا' ان کے مطابق اردو برج بھاشا سے ماخوذ ہے۔

اردو حال کی پیداوار ہے۔ دہلی کے نواح میں جو مسلم اقتدار کا مرکز تھا اردو بارہویں صدی میں پیدا ہوئی۔ یہ علاقہ برج مارواڑی پنجابی کے لیے سنگم کی حیثیت رکھتا ہے۔ مقامی باشندوں اور مسلمان سپاہیوں کے اختلاط سے ایک ملی جلی زبان وجود میں آئی۔ اگرچہ اس میں پنجابی اور مارواڑی کی آمیزش بھی ہے۔ اس کے کچھ الفاظ دیسی ہندی ہیں اور کچھ بدیسی یعنی عربی و فارسی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ آزاد ماہرلسانیات بھی نہیں تھے اور وہ برج بھاشا سے اردو کے ماخذ ہونے کا جواز بھی پیش کرنے سے قاصر رہے۔

نظریہ محمد حسین آزاد کا تنقیدی جائزہ:

محمود شیرانی، مسعود حسین خان اور شوکت سبزواری جیسے ماہرین لسانیات نے آزاد کے اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے اسے آزاد کی ذہنی اُپج قرار دیا ہے۔ ان کے خیال میں آزاد نے برج بھاشا کو اردو کا ماخذ قرار دیا ہے جبکہ لسانی حقائق و شواہد سے یہ بات کسی طرح صحیح ثابت نہیں ہوئی۔ ان ماہرین کے مطابق ان دونوں زبانوں میں ماں بیٹی کا نہیں بلکہ بہنوں کا رشتہ ہے۔ اردو کی ابتدا کے بارے میں محمد حسین آزاد نے اپنی کتاب ''آب حیات'' میں لکھا ہے کہ اتنی بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہماری اردو زبان برج بھاشا سے نکلی ہے اور برج بھاشا خاص ہندوستانی زبان ہے۔ اس نظریہ کی کافی دنوں تک علمی دنیا میں دھوم مچی رہی لیکن جدید تحقیق کی روشنی میں یہ بات واضح ہو چکی کہ اردو زبان برج بھاشا سے نہیں نکلی بلکہ اس کی سب سے بڑی پہچان اس کے اسماء، ضمائر، صفات اور افعال ہیں۔

نظریہ محمود شیرانی:

محمود شیرانی نے اپنی تصنیف ''پنجاب میں اردو'' میں اردو زبان کے ارتقا کے بارے میں اپنے نظریہ کو پیش کیا۔ ان کا خیال ہے کہ محمود غزنوی کے ہندوستان میں مسلسل حملے کے نتیجے میں مسلمان سارے پنجاب میں پھیل گئے۔ ان کا قیام پنجاب میں دوسو سال تک رہا۔ اس دوران پنجاب کے باشندوں سے ان کے گہرے معاشرتی روابط قائم ہو گئے اور دونوں کے میل جول سے ایک نئی زبان وجود میں آئی یہ زبان بعد میں پنجاب سے نکل کر دہلی پہونچی اور مختلف مراحل سے گزرتی ہوئی اردو کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ اس طرح محمود شیرانی کے مطابق اردو جو بنیادی بولی ہے اس کا تعلق سرزمین پنجاب سے ہے وہ لکھتے ہیں:

> ''اردو دہلی کی قدیم زبان نہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ دہلی جاتی ہے اور چونکہ مسلمان پنجاب سے
> ہجرت کر کے جاتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ وہ پنجاب سے کوئی زبان اپنے ساتھ لے گئے ہوں''

شیرانی نے اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے کچھ تاریخی شواہد پیش کئے ہیں جو پنجابی اور قدیم اردو کے درمیان مشترک ہیں۔ شیرانی کے اس نظریہ کی تائید کرتے ہوئے شیر علی سرخوش اپنے تذکرے اعجاز سخن اور جارج گریرسن اپنی تحریروں میں شیرانی سے پہلے پیش کر چکے تھے۔ ان نقادوں نے

اردو میں پائے جانے والے پنجابی عناصر کی طرف خصوصی طور پر اشارہ کیا تھا۔ پنجابی زبان کے عالم ٹی۔ گراہم بیلی T. Grahambaily نے بھی شیرانی کے نظریہ سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اردو 1027ء کے لگ بھگ لاہور میں پیدا ہوئی، قدیم پنجابی اس کی ماں ہے اور قدیم کھڑی بولی اس کی سوتیلی ماں، برج سے براہ راست اس کا کوئی رشتہ نہیں۔ مسلمان سپاہیوں نے پنجابی کے اس روپ کو جوان دنوں دہلی کی قدیم کھڑی بولی سے زیادہ مختلف نہ تھا اختیار کیا اور اس میں فارسی الفاظ اور فقرے شامل کر دیے''

اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ محمود شیرانی کا نظریہ صرف روایت یا قیاس وتخمینہ پر مبنی نہیں انھوں نے اپنا نظریہ تاریخی شواہد کی بنیاد پر لسانی تجزیہ کرتے ہویے بڑے اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سامنے تمام تاریخی شواہد اور پنجابی کے ہم عصر دوسری بولیوں کے نمونے نہیں تھے۔ جس کی وجہ سے انھوں نے 'اردو کی'' پنجابیت' پر غیر معمولی زور دیا ہے۔ پنجاب میں اردو کتاب کے مصنف محمود شیرانی نے یہ نظریہ پیش کیا کہ جس زبان کو ہم اردو کہتے ہیں۔ سرزمین پنجاب میں پیدا ہوئی اور وہیں سے ہجرت کر کے دہلی پہونچی۔ مسلمانوں سندھ میں داخل ہونے کے بعد پنجاب میں دوسو سال تک رہے۔ ان کے اور اہل پنجاب کے درمیان مضبوط سماجی رابطہ قائم ہوا اور ایک نئی زبان پیدا ہوئی وہ اُردو کہلاتی ہے۔

پروفیسر مسعود حسین خاں کا نظریہ:

مسعود حسین خان کے اردو کی ابتدا سے متعلق نظریہ کی بنا نواح دہلی کی بولیوں کی اہمیت پر ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اردو زبان کی تشکیل اور اسے معتبر لب ولہجہ عطا کرنے میں ہریانی اور نواح دہلی کی دیگر قدیم بولیوں کا ہاتھ رہا ہے۔ جہاں ہریانی نے قدیم اردو کی تشکیل میں حصہ لیا وہیں کھڑی بولی' برج بھاشا اور میواتی نے اس کا لب ولہجہ متعین کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں'' قدیم اردو کی تشکیل براہ راست ہریانی کے زیر اثر ہوئی۔ اس پر رفتہ رفتہ کھڑی بولی کے اثرات مرتب ہویے۔ پندرہویں صدی میں آگرہ دارالسلطنت بن جاتا ہے اور کرشن بھگتی کی تحریک کے ساتھ برج بھاشا عام مقبول ہو جاتی ہے تو سلاطین دہلی کے عہد کی تشکیل شدہ زبانوں کی نوک پلک برجی محاورے کے ذریعہ درست ہوتی ہے۔''

> ''قدیم اردو جمنا کی ہریانی بولی سے قریب تر تھی۔ برج بھاشا نے بعد کو اردو کا لب ولہجہ معیاری متعین کرنے میں ضروری مددی ہے۔''

پروفیسر مسعود حسین خاں نے نواح دہلی کی بولیوں ہریانی کھڑی بولیوں اور میواتی پر توجہ دیے جانے کی وجہ یہ بھی بتلائی کہ شہر دہلی ان کے سنگم پر واقع ہے۔ وہ ان تمام حقائق کے پیش نظر بڑے وثوق سے لکھتے ہیں:

> ''نواح دہلی کے قدیم نمونے جوں جوں روشنی میں آتے جائیں گے یہ بات بھی واضح ہوتی جائیگی کہ دینے کا ماخذ (کھڑی بولی اور ہرانی) بولیاں ہیں۔ نواح دہلی کی بولیاں اردو کا اصل منبع ہیں اور حضرت دہلی اس کے حقیقی مولد ومنشا۔''

مسعود حسین خاں کے اس نظریہ کی تائید ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ کی تحریروں سے ہوتی ہے۔لیکن ان دونوں ماہرین لسانیات نے ہریانی کی اہمیت سے متعلق صرف بعض اشارے کئے ہیں جبکہ مسعود حسین خاں نے لسانی تجزیوں پر پرکھ کر اسے مستقل نظریہ کے طور پر پیش کیا۔ بعد کے ماہرین لسانیات پروفیسر گوپی چند نارنگ نے بھی اس نظریہ کی تائید کی۔اس طرح سے مسعود حسین خاں نے اردو کے ابتدا کے بارے میں تفصیلی جائزہ اپنی کتاب مقدمہ تاریخ زبان اردو میں کیا ہے۔ان کے نظریہ کے مطابق اردو نہ تو پنجاب میں پیدا ہوئی اور نہ دکن میں، نہ سندھ میں بلکہ اردو 1193ء میں دہلی اور نواح دہلی میں پیدا ہوئی۔ابھی انکے نظریات کو قابل تسلیم مانا جاتا ہے کہ اردو کی ابتدا کھڑی بولی سے ہوئی اور اس میں ہریانوی کے اثر واضح ہیں۔

نظریہ ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ:

یوں تو ڈاکٹر زورؔ مسعود حسین خاں کے نظریہ کی تائید کرتے ہیں مگر ڈاکٹر زورؔ اردو پر ہریانی کے اثرات کے قائل ہوتے ہوئے بھی مسعود حسین خاں کے اس نظریہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''ہریانی زبان کی پیدائش اردو کی پیدائش کے بعد عمل میں آئی اور اگر قدیم دکنی اردو کی بعض خصوصیات ہریانی میں ملتی ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ اردو ہریانی سے بنی بلکہ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ اردو اور ہریانی دونوں کا سرچشمہ ایک تھا۔''

ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ نے کھڑی بولی کو اُردو کی اصل قرار دیا ہے۔ان کا خیال ہے کہ اردو زبان کی تہہ میں پائی جانے والی بولی دہلی مغربی یوپی اور میرٹھ کے نواح میں بولی جانے والی زبان ہے اور ان علاقوں میں بولی جانے والی زبان کھڑی بولی کے علاوہ اور کوئی دوسری زبان نہیں ہے۔

دکن میں اردو زبان و ادب کی تصنیف و تالیف کا کام شمالی ہند سے کئی سو برس پہلے شروع ہو چکا تھا دکن میں اردو کی ترویج و اشاعت میں افواج و صوفیا نے برابر کا حصہ لیا۔اس کے بعد جب محمد تغلق نے 1327ء میں دولت آباد کو اپنا دارالحکومت بنایا اور دہلی کی رعایا کو دکن منتقل کیا تو زبان کی ترقی و ترویج کے عمل میں بہت زیادہ اضافہ ہوا۔ 1347ء میں دکن میں بہمنی سلطنت کا قیام عمل میں آیا۔سلاطین بہمنی نے دل کھول کر مقامی روایات کی حوصلہ افزائی کی۔انھوں نے باہمی ربط وضبط میل جول اور معاشرت و تہذیب کو مضبوط کرنے کے لیے اس زبان کی سرپرستی کی جسکو آج ہم ''اُردو'' کہتے ہیں، چنانچہ سلاطین بہمنی نے اردو زبان کو سرزمین دکن میں خوب پھلنے پھولنے کے مواقع فراہم کیے۔ 1200ء تا 1700ء کے درمیانی زمانے میں دکن میں اردو زبان و ادب کی ترقی کی رفتار شمالی ہند کے مقابلے میں کہیں زیادہ بہتر رہی۔اس کا سبب دکن کی سلطنتوں کا اس زبان کے تئیں ہمدردانہ رویہ تھا۔ان سلطنتوں کے بادشاہوں نے نہ صرف اس زبان کے ادیبوں اور شاعروں کی حوصلہ افزائی کی بلکہ اس کی سرپرستی کی۔ بہت سے بادشاہ خود شاعر بھی تھے۔جنھوں نے اردو زبان کی نشوونما میں اہم کردار ادا کیا۔

ہندوستانی آئین میں اردو زبان کا مقام ومرتبہ:

ہندوستان مختلف قوم وزبان اورتہذیب وتمدن کا گھوارہ ہے۔ یہاں طرز رہائش اور زبان میں تبدیلی پائی جاتی ہے۔اسی لیے آزادی کے بعد تمام مذاہب زبانوں اورتہذیب کے تحفظ کے لیے آئین مرتب کیا گیا چونکہ ملک میں بہت ساری زبانیں صدیوں سے رائج تھیں۔اسے مساویانہ حق دلانے کے لیے دستور کی آٹھویں فہرست میں 22 زبانوں کوشامل کیا گیا جس میں ہندی، اردو، عربی، فارسی، بنگالی، آسامی اور پنجابی وغیرہ شامل ہیں۔

1956ء میں زبان کی بنیاد پر ریاست کی تقسیم عمل میں آئی اور آندھرا پردیش کا قیام ہوا مگر کوئی ریاست ایسی نہ تھی جسے صرف ایک لسانی (زبان) قرار دیا جاسکے۔اکثریتی زبان بولنے والے کے ساتھ ساتھ دوسری زبان بولنے والے بھی موجود تھے۔ پنجابی بولنے والا سندھی بھی جانتا تھا۔تامل بولنے والا ملیالم بھی جانتا تھا، تلگو بولنے والا کنڑی بھی جانتا تھا۔آئین کی دفعہ 350A نے اس بات کی ضمانت دی کہ بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لیے مادری زبان بہتر ہوگی۔لیکن اس کے ساتھ ریاست کی دیگر زبانوں سے بھی واقف ہونا ضروری ہے۔

2.8 یاد رکھنے کے نکات

اس یونٹ میں اردو زبان وادب کا مفہوم وتعریف، معنی اور ادب کا زندگی سے رشتہ کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں۔اس کے علاوہ اصناف ادب اردو نظم ونثر، اس کی تعریف اور قسموں کو بیان کیا گیا ہے۔نظم اور نثر کے درمیانی رشتہ کو بتلایا گیا ہے۔اصناف نثر، داستان، ناول ،افسانہ، ڈرامہ، سوانح نگاری اور مکتوب نگاری وغیرہ کا جائزہ لیا گیا ہے۔اسی طرح اصناف نظم میں غزل، مثنوی، قصیدہ، رباعی، مرثیہ وغیرہ سے متعلق معلومات دی گئی ہیں۔اسکے ساتھ ساتھ اردو زبان کے آغاز اور اس کے ارتقاء سے متعلق مختلف نظریات جیسے محمد حسین آزاد، مسعود حسین خان کے نظریات کا بھی مفصل طور پر جائزہ لیا گیا ہے۔اس کے علاوہ موجودہ ہندوستان میں اردو کا مقام دستور ہند کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

2.9 اپنی معلومات کی جانچ

(1) ادب سے کیا مراد ہے؟ اس کے معنیٰ اور مفہوم بتلائیے۔

(2) اصناف ادب کون کون سے ہیں؟

(3) نظم اور نثر کے درمیان فرق کو بتلائیے۔

(4) داستان، ناول اور افسانہ مختصر طور پر بیان کیجئے۔

(5) اصناف نظم سے کیا مراد ہے؟ غزل، مثنوی، قصیدہ پر مختصر نوٹ لکھئے۔

(6) چند رباعی گو شعرا کے نام بتلائیے۔

(7) اردو زبان کے آغاز وارتقا کے سلسلے میں مختلف نظریات کون کون سے ہیں؟

(8) چند مرثیہ گو شعرا کے نام بتلائیے۔

(9) آزاد نظم سے کیا مراد ہے؟ نظم اور غزل میں کیا فرق ہے؟

(10) اردو زبان کے آغاز سے متعلق مسعود حسین خان کا نظریہ بیان کیجئے۔

(11) دستور ہند میں موجودہ اردو کا مقام کیا ہے؟

2.10 سفارش کردہ کتابیں

معین الدین — اردو زبان کی تدریس

احمد حسین — تدریس اردو

انعام اللہ خان شروانی — تدریس زبان اردو

غلام نبی مومن — اردو زبان اور طریقۂ تعلیم

اکائی ۔3۔ تدریس اور تدریس کے طریقۂ کار

ساخت

3.1 تمہید

3.2 مقاصد

3.3 تدریس کا مفہوم و تعریف

3.4 تدریس کی اہمیت

3.5 ایک معیاری/اچھی تدریس کی خصوصیات

3.6 تدریس کے عام اصول

3.7 تدریس کے اقدامی اصول

3.8 تدریس کے طریقۂ کار

3.9 یاد رکھنے کے نکات

3.10 اپنی معلومات کی جانچ

3.11 سفارش کردہ کتابیں

3.1 تمہید:

انسان جب سے دنیا میں آیا ہے اسے روزِ اوّل سے ہی معلومات حاصل کرنے اور سیکھنے سکھانے کی ضرورت پیش آئی ہے، یہ سیکھنا، سکھانا زندگی کے تمام معاملات پر مشتمل ہے۔ تعلیم و تعلّم اور حصول معلومات کا یہ عمل بغیر استاد و معلّم کے انجام نہیں پاتا۔ ایک معلّم اپنے اندر موجود علمی مواد و افکار کو طلبہ کے اندر منتقل کرتا ہے تو یہ عمل ''تدریس'' کہلاتا ہے۔ زمانۂ قدیم میں تدریس کا عمل ایک غیر منظّم اور غیر مربوط شکل میں تھا، کھلے میدان، درختوں کے نیچے سایہ دار جگہ اور گاؤں کی چوپالیں ہی ان کے مدارس تھے۔ اور سیکھنے والوں کو جب بھی فرصت کے اوقات میسّر آتے وہ معلّم کی خدمت میں حاضر ہو کر تدریس سے فائدہ اٹھاتے۔

موجودہ دور میں زندگی کی جملہ شاہراہوں نے بہت ترقی کی ہے لہٰذا تدریس میں بھی عمدگی، تنظیم وترتیب کے ساتھ مدارس، مواد مضمون اور تدریس کو موثر و کامیاب بنانے کے لیے دیگر لوازمات نے اس کو خوب ترقی یافتہ بنا دیا ہے۔عصر حاضر کے خوب صورت و آرام دہ مدارس، صاف وشفاف کمرۂ جماعت، قابل معلمین اور دیدہ زیب اور جاذب نظر کتابیں و دیگر مواد تعلیم اس کا شاہد ہے کہ عمل تدریس نے موجودہ دور میں اپنی حد کو پالیا ہے۔

ابتدائی جماعت سے لے کر یہاں تک آپ مختلف مضامین پڑھے ہوں گے۔کئی اساتذہ سے آپ نے تعلیم حاصل کی ہوگی۔ درس وتدریس کے اس طویل عرصے میں آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ ہر معلم کے تدریس کا طریقہ الگ الگ ہوتا ہے۔کچھ اساتذہ اپنی تدریسی خصوصیات کی بنا پر آپ کے ذہن پر مثبت نقوش چھوڑے ہوں گے۔ دراصل اساتذہ اپنی تدریس میں جو مختلف طریقے اپناتے ہیں اس کا مقصد ہوتا ہے سبق کو کامیابی سے ہمکنار کرنا اور طلبہ کو خاطر خواہ فائدہ پہنچانا۔جب استاد یہ محسوس کرتا ہے کہ سبق طلبہ کے دماغ وذہن پر منعقش ہوگیا ہے تو وہ اپنی تدریس کی کامیابی پر ایک خوشی محسوس کرتا ہے۔

تدریس کا مفہوم واہمیت، ایک معیاری تدریس کی خصوصیات، تدریس کے اصول اور تدریس کے مختلف طریقوں کی تفہیم سے واقف ہونے کے بعد امید کی جاسکتی ہے کہ آپ اپنی تدریس میں ندرت ونکھار پیدا کرسکیں اور خود کو ایک کامیاب معلم ثابت کرسکیں۔

3.2 مقاصد

اس اکائی کو مکمل کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

☆ تدریس کا مفہوم وتعریف بیان کرسکیں۔

☆ تدریس کی اہمیت وافادیت کو سمجھا سکیں۔

☆ تدریس کے عام اصول اور اقدامی اصول کے درمیان فرق کو واضح کرسکیں۔

☆ تدریس کے مختلف طریقۂ کار سے واقفیت حاصل کرسکیں۔

3.3 تدریس کا مفہوم وتعریف

تدریس کے معنی درس دینا، بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا یا مختلف علوم وفنون میں مہارت پیدا کرنا ہے۔تدریس کے ذریعے معلّم بچّوں کو طرح طرح کی معلومات فراہم کرتا ہے۔انھیں مختلف باتیں جاننے، سیکھنے یا کرنے کا موقع دیتا ہے اور مستقبل کی زندگی کے لئے انہیں تیار کرتا ہے۔

تدریس کا کام اس وقت انجام پاتا ہے جب کوئی سیکھنے والا ہو (طالب علم)، کوئی سکھانے والا ہو (معلّم)، کوئی چیز ہو جو سکھائی جائے (مواد مضمون) تدریس کے ذریعے معلّم، طلبہ اور مضامین کے مواد میں ربط قائم کرتا ہے۔معلّم کے لئے ضروری ہے کہ وہ طلبہ، مضامین کے مواد اور طریقۂ تدریس تینوں سے بخوبی واقف ہو اور ان صفات کا حامل ہو جو بچّوں سے بحسن وخوبی پیش آنے اور ان کو فیض پہنچانے کے لیے درکار ہیں۔

تدریس ایک معاشرتی اور جمہوری عمل ہے جس میں طلبہ کو مرکزی ومحوری حیثیت حاصل ہے۔تدریس اسی وقت موثر ومفید ثابت ہوتی ہے جب طلبہ تدریس میں فعال کردار ادا کریں۔طلبہ کو پوری آزادی حاصل ہو اور وہ خود عمل وتجربات سے علم حاصل کریں۔آج ہر مفکّر تعلیم اس بات پر متفق ہے کہ تدریس طلبہ کی نفسیات سے ہم آہنگ ہونی چاہئے اس سے تدریس میں دلکش اثرات مرتّب ہوں گے۔

تدریس کی تعریف : مختلف ماہرین نے تدریس کی تعریف اس طرح کی ہیں۔

این ایل گیز کے مطابق : ’’ تدریس ایک قسم کا باہمی اثر ہے۔جس کا مقصد دوسرے انسان کے برتاؤ میں تبدیلی لانا ہے۔‘‘

ریانس کے مطابق : ’’ دوسروں کو سیکھنے کے لئے صحیح ہدایت دینے اور دوسری طرح سے انھیں رہنمائی کرنے کے عمل کو تدریس کہا جاتا ہے۔‘‘

بی،او اسمتھ کے مطابق : ’’ تدریس ہدایتی عمل کا ایک مقصد ہے‘‘

تھمپسن اور دوسرے : ’’ تدریس کا مطلب اس سلسلے سے ہے، جس میں تجربہ کار گروہ کے لوگ اپنے ناتجربہ کار اور ناپختہ افراد کی زندگی سے مطابقت قائم کرنے میں رہنمائی کرتے ہیں۔‘‘

بی ایف اسکینر کے مطابق : ’’ تدریس قوّت بخشی کا اتفاقیہ (حادثاتی) سلسلہ ہے‘‘

کلارک کے مطابق : ’’ تدریس کی تشکیل و تنظیم طلبہ کے عادات واطوار میں تبدیلی کے لئے کی جاتی ہے‘‘

سینٹ تھامس کے مطابق : ’’ کسی طرح سے کسی کو معلومات اور علم دینا تدریس ہے‘‘

ایچ،سی،موریسن کے مطابق : ’’ تدریس وہ عمل ہے جو زیادہ باوقار شخصیت اور کم پختہ شخصیت کے درمیان آتا ہے اور وہ کم پختہ شخصیت کی آئندہ تعلیم کا انتظام کرتا ہے‘‘

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ تدریس سے مراد ایسی معلومات بہم پہنچانا جو طلبہ میں جذبہ تجسّس ابھارے اور زندگی کو آسان طریقے سے گزارنے کے قابل بنائے۔گویا تدریس کی مدد سے معلم، طالب علم اور مضامین میں ربط قائم کرتا ہے۔

3.4 تدریس کی اہمیت

تدریس نفس مضمون کو معیاری اور نفسیاتی انداز میں پیش کرنے کے عمل کا نام ہے۔تدریس نفس مضمون، معلّم اور طلبہ کے درمیان ایک رشتہ پیدا کرتی ہے، معلّم جب کسی شئے کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے تو وہ ایک طرف اس شئے کے بارے میں ساری معلومات کو ذہن میں رکھتا ہے اور دوسری طرف طلبہ کے تقاضوں اور ان کے نفسیاتی عوامل کی طرف متوجہ رہتا ہے۔تدریس طلبہ کے رجحانات، کردار اور شخصیات پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔تدریس ایک امدادی شئے ہے جو بچّے کو موثر انداز میں اس کے ماحول کے مطابق ردّعمل کے لئے تیّار کرتی ہے۔تدریس طلبہ کی عادتیں، شعور اور دلچسپیوں کو فروغ دیتی ہے تاکہ وہ زندگی میں مطابقت پیدا کرنے کے لائق ہو جائیں۔

تدریس ایک حرکی اور ارتقا پذیر عمل ہے جو طلبہ کے اندر سماج کی قدروں کا احساس پیدا کرتا ہے اور سماج کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرتا ہے۔زیر تربیت اساتذہ کے لئے ان سرگرمیوں کی بہت اہمیت ہے کیوں کہ وہ اپنی تربیت کے دوران ان میں واضح تصوّر رکھتے ہیں کہ کمرۂ جماعت میں داخل ہونے سے پہلے، کلاس کے دوران اور خاتمہ پر سرگرمیاں بجالائی جاتی ہیں اور ان کے ذریعہ سے اثرات پیدا کیے جاتے ہیں اور پھر مقاصد حاصل کیے جاتے ہیں۔

☆ تدریس کے ذریعہ معلومات میں وسعت، مہارتوں، اہلیتوں اور رجحان کا فروغ ہوتا ہے۔

☆ تدریس کے ذریعہ واضح تفکّرات، ذوق سماعت، بحث و مباحثہ، تجربات، منصوبہ سازی، مسائل کے حل، دوسروں کا لحاظ اور ذمہ دارنہ کام کی عادت جیسی اہم خصوصیات کو پروان چڑھانے میں مدد ملتی ہے۔

☆ تدریسی سرگرمیاں تدریس کی نوعیت ومتغیرات کو سمجھنے نیز ان کے باہمی تعلق کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔

☆ تدریسی سرگرمیوں کے منظّم انعقاد سے معلم اور طالب علم کے درمیان بہتر تال میل پیدا ہوتا ہے اور تدریسی مقاصد کے حصول میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

☆ تدریسی سرگرمیاں تعلیمی ماحول پیدا کر کے تعلیم کے مختلف گوشوں پر اثر انداز ہوتی ہیں اور یوں تدریس وتعلیم میں گہرا تعلق بنتا جاتا ہے۔

☆ تدریسی سرگرمیوں کے ذریعہ سے تعلیم کے تینوں مدارج حفظ، فہم اور فکر کی احسن وضاحت ہوسکتی ہے۔

☆ تدریس کے ذریعہ بچوں کی انفرادیت کو اختراعی اظہار کا موقع ملتا ہے۔

☆ تدریس لفظی اور زبانی اہمیت کو مقصدی اور حقیقی حالات میں اکتساب کرنے کے قابل بناتی ہے۔

☆ تدریس کے ذریعہ طلبہ کو خود آموزی کے طریقوں کی تربیت ملتی ہے اور طلبہ میں صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے جس سے شخصی کوشش اور وجدان کے ذریعہ حصول معلومات کا طریقہ سیکھتا ہے۔

☆ تدریس کے ذریعہ طلبہ میں مزید مطالعہ اور انکشافات کی خواہش کو تحریک ملتی ہے۔

مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ استاد کا ہر وقت بچوں سے رابطہ رہتا ہے مگر خیال رہے کہ تدریس نہایت ہی پیچیدہ عمل ہے۔ اس کے ذریعہ سے طلبہ کے حصول علم کے درجے کی نشاندہی ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر وہ استاد جو اپنی تدریس کو بہتر بنانا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ تدریس کے مختلف پہلوؤں کے لحظ سے تدریسی طرز عمل کا تجزیہ کرے اور اس کے مطابق متحرک اور تخلیقی انداز میں تدریس کو فروغ دے۔

3.5 ایک معیاری/اچھی تدریس کی خصوصیات

مشہور ماہر تعلیم سمپسن نے اپنی کتاب ''جدید تدریسی طریقۂ کار'' میں ایک اچھی تدریس کی خصوصیات اس طرح بیان کی ہیں۔

مطلوبہ اطلاع دینا۔ تدریس کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ بچوں کی ضروریات، دلچسپیاں ان کی تعلیمی سطح، سماجی ضروریات اور ان کی نفسیات کا خاص خیال رکھتے ہوئے ایسی معلومات بہم پہنچانا ہے جو ان کے لیے ضروری ہیں۔ ہر سطح پر بچوں کی ضروریات مختلف ہوتی ہیں اس لیے بچوں کے اس امتیاز کو مدّنظر رکھتے ہوئے افعال تدریس کو انجام دیا جائے۔

رہنمائی کرنا۔ عمدہ تدریس وہی ہے جو بچوں کو سیکھنے میں صحیح رہنمائی کرے۔ معلّم کو چاہیے کہ وہ طلبہ کی دلچسپیوں، صلاحیتوں، لیاقتوں اور ضرورتوں کا پتہ لگائے اور انھیں کے مطابق رہنمائی کرے۔ ماٹیسری، کنڈرگارٹن، ڈالٹن وغیرہ کے تدریسی طریقوں کی تعمیر اسی اصول کی بنیاد پر ہوئی ہے۔

منتخب باتوں کا علم۔ موجودہ دور' معلومات کے دھماکہ کا دور ہے۔ روز بروز نت نئی دریافتیں اور جدید علوم منظر عام پر آرہے ہیں۔ ایک انسان کے لئے مشکل ہے کہ وہ یکساں طور پر ان تمام علوم پر عبور حاصل کرسکے۔ اس لئے معلم کو چاہیے کہ طلبہ کو منتخب معلومات فراہم کرے جو ان کی ضروریات اور عقل وفہم سے میل کھاتے ہوں۔

ہمدردانہ۔ اچھی تدریس کے لئے ضروری ہے کہ معلم بچوں کے ساتھ باہمی دوستی اور ہمدردی کا سلوک کرے۔ جس کی وجہ سے طلباء بے جھجک معلّم سے اپنے دل کی بات کہہ سکیں اور اپنے مسائل کو اس کے سامنے پیش کرسکیں۔ چوں کہ معلّم بچوں کا روحانی باپ ہوتا ہے۔ اس لئے بچوں کی غلطیوں پر صرف

سزا دینا اس کا کام نہیں بلکہ ان کو سدھارنا ہی اس کا اصل فریضہ ہے۔اس لیے درس و تدریس نرمی پر منحصر ہوتی ہے نہ کہ سنگ دلی و سختی پر۔

تعاون پر منحصر۔ تدریس ایک دوطرفہ عمل ہے۔اس کے لیے معلّم اور شاگرد کے درمیان آپسی تعاون کا ہونا ضروری ہے۔اگر طلبہ کا معلّم کے ساتھ بھرپور تعاون نہیں ہوگا تو تدریس کبھی کامیاب و موثر نہیں ہوسکتی۔طلبہ کے تعاون کے لئے ضروری ہے کہ معلّم ان کے ساتھ انسیت کا معاملہ روا رکھے اور حصول تعلیم کے لئے درکار سہولتیں انھیں فراہم کرے۔

جمہوری۔ موجودہ زمانہ جمہوریت کا زمانہ ہے۔اس لیے معلّم کمرۂ جماعت کے ہر ایک طالب علم کے ساتھ یکساں سلوک کرے اور طلبہ کے درمیان کسی قسم کا کوئی امتیاز نہ کرے۔حقیقت میں عمدہ تدریس وہی ہے جو بچوں میں جمہوری رجحان پیدا کرے اور وہ اپنے روزمرّہ کے برتاؤ اور عمل میں جمہوری جذبات مثلاً انصاف، آزادی، مساوات اور بھائی چارا وغیرہ کی ترغیب حاصل کریں اور ان میں ان خیالات کو زندگی میں اتارنے کا احساس پیدا ہو۔

ترقی پذیر۔ بچے کی حقیقی تعلیم اس کے ذاتی تجربوں پر منحصر ہونی چاہیے۔عمدہ تدریس بچے کے سابقہ تجربوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے جدید علم پیش کرتا ہے۔اس سے بچوں کے برتاؤ میں تبدیلی اور اصلاح ہوتی ہے۔اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ عمدہ تدریس ترقی پذیر ہوتی ہے۔

3.6 تدریس کے عام اصول

کامیاب تدریس کا مطلب ہے ایسی تدریس جس میں شاگردوں کو مضمون سے متعلق جو مواد پڑھائے جا رہے ہوں اسے وہ اچھی طرح سیکھ سکیں۔ سیکھنے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے میں بھی وہ معاون ہوں۔اس عمل کے لیے تعلیم کے ماہرین نے کچھ اصولوں کی ایجاد کی ہے جنہیں تدریسی اصول کہتے ہیں۔ ان اصولوں کا علم ہر مدرس کے لیے ضروری ہے کیوں کہ اس سے تدریس میں دلچسپی، آسانی اور سائنسی رجحانات کو فروغ ملتا ہے۔ یہ اصول ''طفل مرکوزیت'' پر منحصر ہوتے ہیں۔تدریسی اصول کی اہمیت و افادیت کامیاب تدریس کے لئے بہت اہم ہے۔تدریسی اصولوں کے ذریعہ درجاتی تدریس میں آسانی، جوش و ولولہ اور سیکھنے میں مدد ملتی ہے اور طلبہ مضمون کو اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں۔اس لئے ایک ماہر استاد کو ان تمام تدریسی اصولوں کا مکمّل علم ہونا بے حد ضروری ہے۔ ایک کامیاب استاد کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ کون سے اصول کا استعمال اسے کہاں کرنا چاہیے۔

تدریسی اصولوں کا استعمال تدریسی عمل کو سہل بنا دیتا ہے۔اس کے ذریعے کسی بھی مضمون کو سمجھنے میں طلبہ کو آسانی ہوجاتی ہے اس لئے درجاتی تدریس میں تدریسی اصولوں کی اہمیت و افادیت ایک استاد کے لئے ضروری ہے۔

ذیل میں تدریس کے کچھ عام اصول دیے جا رہے ہیں۔ یہ طویل تدریسی تجربات اور بچوں کی نفسیات کی روشنی میں مرتب کیے گیے ہیں۔سارے مضامین اور ہر طرح کے اسباق میں انھیں حتی الامکان ملحوظ رکھنا چاہیے تاکہ تدریس مفید اور موثر ہوسکے۔

٭ آمادگی کا اصول: اس اصول کے تحت سبق کی تدریس سے پہلے طلبہ کو ذہنی طور پر تیار یعنی کہ آمادہ کرنا چاہیے۔ کیوں کہ جس کام کے لیے طبیعت پورے طور پر آمادہ ہوتی ہے وہ دلچسپی سے کیا جاتا ہے اور جو کام کسی طرح کے دباؤ یا زبردستی کے تحت انجام پاتا ہے وہ بے کار سمجھ کر ٹال دیا جاتا ہے۔ہم سب جانتے ہیں کہ بچّے توجہ اور انہاک سے گھبراتے ہیں۔کسی طرح کا جبر اور دباؤ پسند نہیں کرتے، لکھنے پڑھنے جیسے خشک کام سے انھیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ چنانچہ انھیں لکھنے پڑھنے پر آمادہ کرنے کے لیے اساتذہ عموماً ڈراتے دھمکاتے اور جبر و تشدّد سے کام لیتے ہیں۔جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر بچے اس کام سے اور زیادہ گھبراتے اور تعلیم سے بھاگنے لگتے ہیں اسی لیے پڑھانے سے پہلے بچوں کو بخوبی آمادہ کرلینا نہایت ضروری ہے۔اس کے لیے حسب موقع مندرجہ ذیل تدابیر

اختیار کی جا سکتی ہیں۔

- ☆ موزوں سوالات، مختصر گفتگو، خوش رنگ تصاویر، جاذب توجہ ماڈل وغیرہ کے ذریعہ نئی معلومات کے لئے بچوں کا تجسّس بیدار کیا جائے۔
- ☆ سبق کی غرض و غایت اور جو کچھ پڑھنے جا رہے ہیں اس کی ضرورت و افادیت بخوبی ذہن نشیں کرادی جائے۔
- ☆ کام میں کھیل یا مسابقت کی روح پیدا کی جائے یا تدریسی مواد کو کہانی کی شکل میں پیش کیا جائے۔
- ☆ بچوں کو کچھ بتانے یا عملی کام کرنے کا موقع دیا جائے۔
- ☆ سبق کو آگے بڑھانے میں ان کی امداد اور مشوروں کو اہمیت دی جائے۔

آمادگی کے بعد توجہ اور دلچسپی کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ چوں کہ جس کام کو کرنے کے لئے طلبہ بخوشی آمادہ ہو جائیں گے اس پر وہ پوری توجہ بھی صرف کریں گے اور بعد میں خواہ دشواریاں بھی پیش آئیں پوری دلچسپی اور توجہ سے کام لیں گے۔

انتخاب کا اصول: بچوں کو صرف وہی پڑھایا اور سکھایا جائے جو ان کے لئے نہایت ضروری، مفید، مناسب اور ان کی فطرت وصلاحیت اور مقصد کے عین مطابق ہو اور جسے معلم اپنے محدود وسائل و ذرائع سے بخوبی انجام دے سکتا ہو۔ اس لئے معلم کو چاہیے کہ مواد مضمون اور طریقۂ تدریس کا نہایت احتیاط سے انتخاب کرے اور اسی شئے کے حصول پر بچوں کا وقت صرف کرائے جو واقعی ضروری اور نفع بخش ہو۔ فضول اور بے مطلب کی باتوں میں وقت ضائع نہ ہونے دے۔

استقرائی طریقہ	استخراجی طریقہ
(1) مخصوص واقعات اور انفرادی مثالوں پر پہلے غور کیا جاتا ہے اور ان سے تعریفیں، قاعدے اور کلیے اخذ کیے جاتے ہیں۔	(1) تعریفیں، قاعدے اور کلیے پہلے بتا دیے جاتے ہیں پھر مخصوص واقعات یا انفرادی مثالوں پر انھیں منطبق کیا جاتا ہے۔
(2) اس سے جدید معلومات حاصل ہوتی ہے۔	(2) اس سے سابقہ معلومات مستحکم ہوتی ہیں۔
(3) یہ انکشاف وتحقیق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔	(3) اس سے دوسروں کی معلومات کی صرف تصدیق ہوتی ہے۔
(4) یہ بہت سست رفتاری کا طریقہ ہے کیوں کہ بچے خود رفتہ رفتہ تجربہ ومشاہدہ کر کے کسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔	(4) اس طریقہ سے کام کی رفتار تیز ہوتی ہے۔ کیوں کہ بچے کو خود تجربہ یا مشاہدہ کرنا نہیں پڑتا ہے بلکہ بڑوں کے علم وتجربے سے کام چل جاتا ہے۔
(5) مختلف ذہنی قوتوں اور صلاحیتوں مثلاً، غور وفکر، استدلال، قوت فیصلہ وغیرہ کی تربیت ہوتی ہے۔	(5) زیادہ تر حافظہ سے کام لینا پڑتا ہے۔ ذہن کی دوسری قوتوں کو کام میں لانے کا کم ہی موقع ملتا ہے۔
(6) بچوں میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔	(6) اساتذہ پر تکیہ کرنے کی عادت پڑتی ہے۔
(7) اس میں خیالات کا رخ بلندی کی طرف ہوتا ہے اور مخصوص واقعات سے کلیات اخذ کرنے کی فکر ہوتی ہے۔	(7) خیالات کا رخ پستی کی طرف ہوتا ہے اور کلیات سے مخصوص واقعات کی طرف آنا پڑتا ہے۔
(8) خود کر کے سیکھنے کا موقع ملتا ہے اس لیے علم پختہ اور کارآمد ہوتا ہے۔	(8) دوسروں کے بتانے پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے چنانچہ اس علم پر پورا یقین بھی نہیں جمتا۔
(9) یہ طریقہ بچوں کے لیے موزوں ہے۔	(9) یہ طریقہ بڑوں کے لیے موزوں ہے۔

زندگی سے مربوط کرنے کا اصول: اس سے مراد معلومات حتی الامکان بچوں کی روزمرّہ کی زندگی کے واقعات، ان کی سابقہ معلومات، ان کے تجربات ومشاہدات اور سماجی وفطری ماحول سے مربوط کرکے فراہم کی جائیں۔ اس طرح بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی اور بخوبی ذہن نشیں ہوجائے گی۔ ساتھ ہی بچوں پر جدید معلومات کی ضرورت اور افادیت واضح کرنے اور روزمرّہ کی زندگی میں اس کے استعمال کا سلیقہ سکھانے میں بھی مدد ملے گی۔ جس چیز کا زندگی سے کوئی ربط محسوس نہ ہو یا اس کی ضرورت وافادیت نظر نہ آئے اسے سیکھنے پر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی اور نہ زیادہ دیر تک وہ ذہن میں محفوظ رہتی ہے۔

خود کر کے سیکھنے کا اصول: معلم کو چاہیے کہ ساری باتیں خود بتانے کے بجائے بچوں کو خود کرکے یا اپنی طرف سے سیکھنے کا موقع فراہم کرے۔ جن اسباق میں خود کر کے سیکھنے کے امکانات نہ ہوں ان کو کم از کم کسی عملی کام پر ختم کیا جائے۔ مثلاً زبانی طور پر بتانے کے بعد اس سے متعلق تحریری کام لینا، معلوماتی اسباق سے متعلق ایسے کام سپرد کرنا جس میں طلبہ کو خود کرنا پڑے۔ مثلاً ٹکٹ یا تصاویر جمع کرنا، کوئی ماڈل یا منظر بنانا، پھول پتیاں وغیرہ جمع کرنا۔

بچے چونکہ ہر وقت کچھ نہ کچھ کرنا چاہتے اور بناتے بگاڑتے رہتے ہیں، اسی میں انہیں لطف بھی آتا ہے اور اسی طرح وہ بہت کچھ سیکھتے اور تجربات حاصل کرتے ہیں۔ اس لیے اگر تدریس میں اس کا اہتمام کیا جائے تو تعلیم زیادہ آسان، موثر اور دلچسپ ہوجاتی ہے اور بچے جو کچھ سیکھتے ہیں وہ زیادہ پختہ اور دیرپا ہوتا ہے۔

تقسیم کا اصول: استاد کو جو کچھ پڑھانا ہو اسے مناسب اجزا میں تقسیم کرکے پڑھائے۔ یہ تقسیم اس انداز کی ہو کہ ہر جز اپنے پہلے اور بعد کے اجزا سے فطری طور پر مربوط رہے۔ اور یہ درمیان کی منزل اور کڑی بھی رہے۔ اس طرح قدم بہ قدم آگے بڑھنے اور مناسب اجزا میں تقسیم کرکے معلومات کو پہنچانے سے سمجھنا بھی آسان ہوتا ہے اور سلسلہ وار ترتیب سے یاد بھی ہوجاتا ہے۔ اس کا لحاظ کیے بغیر تعلیم دینے سے معلومات الجھی ہوئی رہتی ہیں اور بوقت ضرورت ٹھیک طرح سے استعمال نہیں ہو پاتیں۔

اعادہ کا اصول: یعنی جو کچھ بچوں کو پڑھایا جائے اس کا اعادہ اور مشق کراکے خوب یاد کرادیا جائے۔ بہت زیادہ معلومات پہنچانے کی فکر میں اکثر اساتذہ اعادہ کی طرف سے غفلت برتتے ہیں جس سے سبق کی تفہیم میں مدد نہیں ملتی اور تدریس کا مقصد فوت ہوجاتا ہے۔ کیوں کہ بچوں کو یاد کیا ہوا سابقہ سبق بھول جاتا ہے۔ اور اگلا ان کی سمجھ میں بھی نہیں آتا۔ اس لیے اعادہ اور مشق کی طرف غیر معمولی توجہ دینی چاہیے۔ سبق کے ہر جز کے بعد اس جز کا اور سبق کے اختتام پر پورے سبق کا اعادہ کرایا جائے۔ ہفتے میں کم از کم ایک دن اعادہ اور مشق کے لیے مخصوص کردیا جائے تاکہ ہفتے بھر کا کام بخوبی ذہن نشیں ہوجائے۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ علم پر قدرت حاصل کرنے کے لیے اعادہ ناگزیر ہے۔

3.7 تدریس کے اقدامی اصول

اقدامی اصولوں سے مراد وہ اصول ہیں، جن کے مطابق زبان کی تدریس میں اقدام کیا جاتا ہے۔ یہ وہ اصول ہیں جو سبق کو دلچسپ، واضح اور کامیاب بناتے ہیں اور طالب علم کے لئے سبق سے مستفید ہونے کے سلسلے میں دشواری نہیں ہونے دیتے۔ یہ اصول درج ذیل ہیں:

معلوم سے نامعلوم کی طرف: اس اصول کا مقصد یہ ہے کہ جو باتیں طلبہ کو پہلے سے معلوم ہیں انہیں کے سہارے انھیں نئی باتیں بتائی یا سمجھائی جائیں۔ تدریس کا یہ فطری طریقہ ہے۔ اس طرح بات ٹھیک ٹھیک سمجھ میں آتی ہے۔ کیوں کہ اول تو بچوں کا ذہن انھیں چیزوں میں توجہ اور دلچسپی کا اظہار کرتا ہے جن میں ندرت اور نئے پن کے ساتھ کسی حد تک انسیت بھی ہو۔ بالکل نئی چیز جس کا سابقہ تجربات ومشاہدات سے کسی طرح کا کوئی تعلق نہ ہو بچوں کے نزدیک کبھی قابل قبول نہیں ہوتی۔ دوسرے نئی چیز کی توضیح وتشریح بہرحال سابقہ معلومات کی روشنی میں کی جاسکتی ہے۔

اس اصول کا تقاضا ہے کہ تدریس میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھا جائے:

☆ ہر نئے سبق سے متعلق بچوں کی سابقہ لیاقت کا ٹھیک ٹھیک تعین کرلیا جائے تاکہ اس کی بنیاد پر نئی باتیں بتائی یا سکھائی جاسکیں۔

☆ سبق کی تمہید میں ایسے سوالات کیے جائیں جن سے بچوں کی سابقہ معلومات کا بخوبی اندازہ ہو سکے، سوالات موضوع سے متعلق ہونے کے ساتھ ایسے آسان ہونے چاہئیں کہ جواب دینے میں بچوں کو دشواری نہ ہو اور ایسے انداز سے پوچھے جانے چاہئیں کہ وہ اپنے دل کی بات بتادیں۔

☆ ایک مضمون کے مختلف اسباق اس انداز سے ترتیب دیے جائیں کہ ہر اگلے سبق کا سابقہ اسباق سے تعلق قائم ہوتا جائے۔

☆ جدید معلومات کا بچوں کی سابقہ معلومات سے موازنہ ومقابلہ کر کے مشابہت یا فرق کو اچھی طرح ذہن نشیں کرادیا جائے۔

☆ بچوں کے تصوّرات وتجربات ناقص اور مبہم ہوتے ہیں۔اس لیے ان کی سابقہ لیاقت سے فائدہ اٹھاتے وقت ان کے سابقہ تصوّرات کو واضح کرنے کی کوشش کی جائے۔

آسان سے مشکل کی طرف: اس اصول کا مقصد یہ ہے کہ پہلے وہ چیزیں پڑھائی جائیں جو آسان اور باقاعدہ ہوں اور ان آسان وسہل چیزوں کے ذریعہ بتدریج مشکل اور بے قاعدہ چیزوں کی طرف چلا جائے۔ یہ اصول بھی پہلے اصول کی طرح تعلیم کے ہر شعبے اور ہر سبق میں کارآمد ہے لیکن تدریس زبان میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔زبان میں پڑھنے، لکھنے اور بولنے میں کئی مشکل مقام آتے ہیں۔ قواعد کی دشواریاں معروف ومشہور ہیں۔اگر سبق کی ابتدا میں کسی مشکل مسئلے کی بحث شروع کردی جائے، تو اس سے طالب علم کے ذہن پر برا اثر پڑتا ہے۔وہ سبق کی دشواری سے تنگ آجاتا ہے۔بعض اوقات اس کی پریشانی اسے سبق سے نفرت کا باعث بنتی ہے۔اس لئے مصلحت اسی میں ہے کہ طلبہ کو پہلے وہ چیزیں سکھائی جائیں جو آسان وسہل ہوں اور آہستہ آہستہ مشکل کی طرف بڑھا جائے۔

سبق کے بہت مشکل ہونے کی صورت میں جہاں طلبہ میں مایوسی اور بددلی پیدا ہوتی ہے وہیں بہت آسان ہونے کی صورت اکتاہٹ اور عدم توجہی کا اندیشہ ہوتا ہے اور اس پر وقت صرف کرنے سے کچھ حاصل بھی نہیں ہوتا۔اس لیے سبق کے شروع میں آسانی کا اہتمام کیا جائے اور آخر میں بتدریج مشکلات پیدا کی جائیں تاکہ بچوں کو مسائل ومشکلات سے نمٹنے کا سلیقہ آجائے۔

سادہ سے پیچیدہ کی طرف: معلم کو چاہیے کہ ہر سبق میں سادہ تصورات پہلے بتائے پھر بتدریج پیچیدہ باتیں سمجھائے۔اسی طرح بچوں کی عمر، ان کی فہم، ان کے تجربات ومشاہدات کو سامنے رکھ کر ہر مضمون کا نصاب اس انداز سے ترتیب دیا جائے کہ سادہ اور آسانی سے سمجھ میں آنے والے مواد پہلے ہوں اور پھر بتدریج مشکل اور پیچیدہ مواد لیا جائے۔مثلاً۔ ریاضی میں ایک قاعدہ سمجھانے کے بعد مشق کے لیے پہلے اس قاعدے سے بہ آسانی نکلنے والے چند سوالات دیے جائیں، پھر بتدریج عبارت میں پیچیدگی لائی جائے اور آخر میں ایسے سوالات دئے جائیں جن کو حل کرنے کے لئے اس قاعدے کے ساتھ پہلے سے پڑھے ہوئے بعض قاعدوں کو بھی استعمال کرنے کی ضرورت پڑے۔قاعدے، ضابطے سکھاتے وقت بھی اسی اصول کو سامنے رکھا جائے۔یعنی شروع میں سادہ قاعدے بتائے جائیں، رفتہ رفتہ پیچیدہ ،لیکن سادگی اور پیچیدگی کا فیصلہ ہمیشہ بچوں کے معیار سے ہونا چاہیے، کیوں کہ ایک چیز بڑوں کو بظاہر بہت ہی سادہ محسوس ہوتی ہے۔لیکن ایک بچہ کے لیے وہ بڑی پیچیدہ ہوتی ہے اور مشکل سے سمجھ میں آتی ہے۔

ٹھوس سے مجرّد کی طرف: اس اصول کے مطابق مجرّد تصورات کو قائم کرانے کے لیے ٹھوس اشیا کی مدد لی جائے۔مثلاً بچوں کو گنتی، پہاڑے، جوڑنا، گھٹانا وغیرہ سکھانے کے لیے انگلیوں، ہال فریم، گولیوں اور بیجوں وغیرہ سے مدد لی جائے تو بڑی سہولت ہوتی ہے اور وہ رفتہ رفتہ بغیر کسی چیز کی مدد کے جوڑنے

گھٹانے لگتے ہیں۔اسی طرح ماڈل،تصاویر،نقشہ جات وغیرہ کی مدد سے مجرّد تصوّرات آسانی سے قائم کرایے جاسکتے ہیں۔بالکل نئی یا نامانوس چیز کا تعارف کرانا ہوتو اس کا ماڈل یا تصویر دکھانے سے تصورات واضح بنتے ہیں۔اس اصول سے فائدہ اٹھانے کے لیے درج ذیل امور کو پیش نظر رکھنا چاہیے:

- ☆ اسباق کی ابتدا ٹھوس متعین مثالوں سے ہو۔لیکن اختتام حتی الامکان مجرّد تصورات پر ہونا چاہیے۔
- ☆ ٹھوس اشیا یا متعین مثالوں سے اسی وقت تک مدد لی جایے جب تک ضروری ہو۔رفتہ رفتہ مجرد تصورات قائم کرانے کی فکر کی جائے۔
- ☆ مجرد تصورات قائم ہوجانے کے بعد انھیں مجرد ہی نہ چھوڑا جایے بلکہ ٹھوس یا متعین مثالوں پر استعمال کرکے مزید تفصیلات فرہم کی جائیں۔

غیر معیّن اور غیر واضح تصوّر سے معین اور واضح کی طرف: تعلیم کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ طلبہ کے ذہن میں چیزوں کے متعلق جو معلومات سطحی،غیر واضح اور غیر معین ہیں انھیں تدریسی عمل کے ذریعے سے معین اور واضح طور پر ذہن نشیں کرایا جائے۔چوں کہ بچوں کے تجربات ومشاہدات ناقص ہوتے ہیں اس لئے اس لئے مختلف چیزوں کے بارے میں ان کے تصورات غیر معین وغیر واضح ہوتے ہیں۔معلم کو چاہیے کہ وہ انھیں رفتہ رفتہ معین اور واضح کرے تاکہ بچوں کا علم پختہ اور قابل اعتماد ہو۔یہ کام اس طرح ہوسکتا ہے کہ بچوں کو تجربات ومشاہدات کے کافی مواقع دیے جائیں اور ان کی قوت مشاہدہ کی بخوبی تربیت ہو تاکہ وہ مشاہدے میں آنے والی چیزوں سے سرسری طور پر نہ گزرجائیں۔بچوں کے غلط اور ناقص تصورات کو ٹھیک اور واضح کرنے کے لیے تصاویر،نقشہ جات،توضیح وتشریح اور مثالوں سے مدد لی جائے۔تدریس زبان کے سلسلے میں اس اصول کی اہمیت بھی واضح ہے۔لسانی نشوونما میں ابتدا غیر واضح چیزوں سے ہوتی ہے لیکن رفتہ رفتہ وہ واضح تر ہوتی چلی جاتی ہیں۔

خاص سے عام کی طرف: اس اصول کے مطابق خاص واقعات یا مثالیں طلبہ کے سامنے پہلے پیش کیے جائیں اس کے بعد ان کے عام قواعد وقوانین اخذ کیے جائیں بلکہ صحیح طرز عمل یہ ہے کہ خاص واقعات ومثالوں کے ذریعہ طلبہ کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ ان مثالوں پر خوب غور وفکر کرکے عام اصول خود بخود اخذ کرسکیں۔جس تدریسی عمل میں طلبہ کے اندر یہ قابلیت پیدا ہوجاتی ہے،وہ عمل کامیاب ہے۔

معلم کو چاہیے کہ خاص خاص واقعات پہلے بتائے اور عام باتیں بعد میں ذکر کرے۔کوئی عام اصول اخذ کرنے یا کسی عمومی نتیجے پر پہنچنے کے لیے بچوں کو جانچنے،پرکھنے اور تجربہ ومشاہدہ کرنے کے لئے کافی مواقع دیے جائیں۔اخلاقی اصول وضابطہ سمجھانے کے لیے نظری بحث کرنے کے بجائے متعین واقعات بتائے جائیں۔تاریخی شخصیتوں کے مشہور واقعات پہلے سنائے جائیں اور باقاعدہ تاریخ اور قوموں کی عروج وزوال کی داستان تسلسل کے ساتھ بعد میں بتائی جائے۔لسانی تدریس اور صرف ونحو کی تعلیم میں یہ اصول بہت مفید،کارآمد اور کامیاب ہے۔

منطقی ترتیب اور نفسیاتی ترتیب کا لحاظ: معلم کے لیے دو مسائل بہت اہم ہیں،کیا پڑھایا جائے؟ اور کس طرح پڑھایا جائے؟ پہلے مسئلے کی بنا پر استاد کے لئے لازم ہے کہ مواد تعلیم پر غور وغوض کرے اور اسے کچھ اس قسم کی ترتیب دے کہ ایک چیز دوسری سے نکلتی چلی جائے اور مواد تعلیم کی تمام چھوٹی چھوٹی کڑیوں میں باقاعدہ تسلسل اور ربط ہو۔دوسرے مسئلے کی بنا پر استاد کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسا طریقہ یا طرز استعمال کرے جس سے طالب علم کے ذہن پر بوجھ نہ ہو۔اس کا ذہن تعلیم کی نئی نئی چیزوں کو دلچسپی کے ساتھ قبول کرے اور ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھ سکے۔پہلی صورت میں معلم کو اپنے مواد تعلیم کا تجزیہ کرکے اس کے مختلف اجزا کو ایسا ربط دینا پڑتا ہے کہ ہر مقدم چیز بعد میں آنے والی معلومات کے لیے بنیاد اور سبب کا کام دے،یہ ترتیب منطقی کہلاتی ہے۔دوسری صورت میں استاد کو دیکھنا پڑتا ہے کہ طالب علم کو تعلیمی مواد کی طرف کس طرح راغب کیا جاسکتا ہے اور مواد تعلیم کو اس کے لیے کیسے موثر بنایا جاسکتا ہے؟ اس مقصد کے لیے معلم کو طالب علم کی طبیعت کا نفسیاتی مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔اس کی جبلّتوں،خواہشوں ورجحانات کو سمجھنا اور ان کے مطابق طرز عمل اختیار کرنا پڑتا ہے۔

3.8 تدریس کے طریقۂ کار

چوں کہ تعلیم کے مختلف سطحوں پر طلبا کی ذہنی صلاحیت، دلچسپیاں اور رجحانات وغیرہ الگ الگ ہوتے ہیں اس لیے تدریسی فعل انجام دینے کے لیے ایک معلم مختلف طریقہ کار استعمال کرتا ہے۔ابتدائی جماعت سے لے کر اعلیٰ جماعت تک تدریس کے لئے جو مختلف طریقۂ کار استعمال کیے جاتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

کھیل کھیل کا طریقہ: مادری زبان کی تدریس میں کھیل کھیل کا طریقہ کافی اہمیت کا حامل ہے۔ چوں کہ کھیل بچوں کی فطرت میں شامل رہتا ہے اور اس سے وہ اپنی خواہشات کو پورا کرتے ہیں۔ بچوں کے کھیل زیادہ تر خیالی ہوتے ہیں۔ وہ کبھی مکان بناتا ہے۔کبھی ریل گاڑی بناتا ہے۔کبھی بڑے آدمیوں کی نقل کرتا ہے۔ابتدا میں بچوں کے کھیل انفرادی ہوتے ہیں جو بعد میں معاشرتی نوعیت اختیار کر لیتے ہیں کیوں کہ اس وقت بچہ دوسرے بچوں کے ساتھ مل جل کر کھیلنا پسند کرنے لگتا ہے۔

بچوں کی ان فطری خواہشات اور کھیل کی خواہش کو اگر تعلیم کی بنیاد بنا لیا جائے تو بچے تعلیم میں بھی اتنی ہی دلچسپی لینے لگیں گے جتنے کہ وہ کھیل کود اور دوسری خواہشات پورا کرنے میں لیتے ہیں۔ اس اصول کے پیش نظر بہت سے ماہر تعلیم نے بچوں کی دلچسپیوں اور کھیل کود کے قدرتی شوق کو تعلیم کا ذریعہ بنایا ہے۔ مادری زبان کو پڑھانے کے سلسلے میں کھیل کے طریقہ کو کئی صورتوں سے کام میں لاسکتے ہیں۔ مثلاً الفاظ کے کھیل، جملوں کے کھیل، کہانیاں ،تصویر بنانا، ڈراموں میں حصہ لینا،لباس کی تیاری وغیرہ۔اس طرح جو چیز بچہ کو پڑھائی جائے گی وہ اس میں اتنی ہی دلچسپی لے گا جتنی کھیل میں لیتا ہے۔

اس طریقۂ تدریس میں بچہ کو ایک خاموشی سے سننے والے کے بجائے تعلیمی عمل میں حصہ دار بنا دیا جاتا ہے وہ اپنے ہاتھوں سے کام کرتا ہے۔ چیزیں بناتا ہے۔اس دوران اس کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور ان سب باتوں کو جو اسکولوں میں سکھائی جاتی ہے بہتر طریقے سے سیکھ لیتا ہے۔اس کے علاوہ کھیل کا بچے کی معاشرتی نشوونما پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔کیوں کہ کھیل میں بچوں کو دوسروں کے ساتھ رہنے اور تعاون کرنے کا موقع ملتا ہے اور اس کے ذریعے بچہ کی تخلیقی قوتیں پروان چڑھتی ہیں۔جسمانی اور دماغی نشوونما ہوتی ہے اور ساتھ ساتھ قوّتِ تخیّل کی نشوونما بھی ہوتی ہے۔

کہانی کا طریقہ:

یہ طریقہ کمرۂ جماعت میں مختلف مضامین کو پڑھانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔معلم اسباق کو دلچسپ اور بہتر طریقے سے پیش کرنے کے لئے کہانی کے طریقہ کار کو استعمال کرتا ہے اور مختلف واقعات شامل ہوتے ہیں۔اس طریقۂ تدریس میں طلبہ کے شوق کو مدنظر رکھتے ہوئے سبق کو دلچسپ بنا دیا جاتا ہے جس سے بچے بڑے شوق سے تدریس میں حصّہ لیتے ہیں۔ سبق کی کامیابی کا دارومدار معلم کی لیاقت پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کہانی کو کس طرح پیش کر رہا ہے۔ چھوٹی جماعتوں کے بچوں کے لیے یہ طریقہ بہت مفید سمجھا جاتا ہے کیوں کہ بچوں کو کہانیوں سے بہت شوق ہوتا ہے۔اس طریقہ تدریس کا تعلق بچوں کی نفسیات سے ہے۔اس کے ذریعہ خشک مضمون کی تدریس میں بھی دلچسپی پیدا کی جاسکتی ہے۔معلم کو قصّہ سنانے میں مہارت ہو،اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے کہانی میں دلچسپی پیدا ہو، بچوں کی استعداد اور عمر کے لحاظ سے کہانی کا انتخاب ہونا چاہیے۔معلم خود کہانی سنانے کے بعد طلبہ سے بھی اس کہانی کو سنے۔طلبہ کو کہانی لکھنے اور سنانے کا موقع دینا ضروری ہے تا کہ ان میں خیالات کو پیش کرنے کی قدرت پیدا ہو اور ان کے تخیل کی پرورش ہو۔

سوال و جواب کا طریقہ:

تعلیم کا بنیادی مقصد فرد کی ذہنی نشوونما کرنا ہے۔اور ذہنی نشوونما کا موثر وسیلہ سوالات ہیں۔ بہت کم استاد سوالات کی اہمیت کو پوری طرح سراہ پاتے

ہیں۔سیکھنے کے کسی بھی موزوں تصور کے لیے یہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔سوال بچے کی ذہنی زندگی کے لیے پہلا محرک ہوتا ہے۔اسی کے ذریعہ سقراط نے اہل یونان میں غوروفکر اور استدلالی قوتوں کو فروغ دیا۔سقراط نے سوالات کے ذریعہ ہی تعلیمی و علمی سرگرمیاں انجام دیں اس کے اس طریقے کو اسی کے نام سے (سقراطی طریقہ) یاد کیا جانے لگا۔طلبہ میں اس کے ذریعہ مزید معلومات کی خواہش پیدا کی جاسکتی ہے۔استاد اور طالب علموں کا تعلق اور اشتراک کے لئے سوالات ہی واحد اہم اور بنیادی ذریعہ ہیں اور یہ تعلق طلبہ کی تعلیمی الجھنوں کو حل کرنے میں معاونت کرتا ہے۔یہ تدریس کی جدید تکنیک میں نہایت موثر طریقہ ہے۔طلبہ کی سابقہ معلومات کو معلوم کرنے کا یہی واحد ذریعہ ہے۔سوالات ہی کے ذریعہ طلبہ کی خواہش کا علم ہوتا ہے۔سوالات کے ذریعہ ہی طلبہ کی ذہنی صلاحیتوں کا پوری طرح تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔سوالات کی دوسری سب سے بڑی اہمیت یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ طلبہ کو فعال (Active) بنایا جاسکتا ہے۔معلّم سوالات کے ذریعہ اپنی تدریس کی کامیابی کا اندازہ لگا سکتا ہے۔استاد کو یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اسکا پڑھایا ہوا سبق کہاں تک طلبہ کے ذہن نشیں ہوا۔سوالات کے ذریعہ طلبہ کی تخلیقی اور تنقیدی صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں ان میں نئے خیالات اور افکار جنم پاتے ہیں۔سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بچوں کو کلاس روم میں مصروف رکھا جاسکتا ہے۔سوالات مسائل کو حل کرنے کا وسیلہ ہے اور یہ طلبہ میں ایک حقیقی اور جوشیلا ردِّعمل پیدا کرتے ہیں۔

لکچر یا تقریری طریقہ:

تعلیمی اداروں میں سب سے زیادہ استعمال کیا جانے والا تدریسی طریقہ لکچر یا تقریری طریقہ ہے۔اور یہ طریقہ تقریباً تمام مضامین کی تدریس میں مقبول ہے۔اس کے ذریعہ استاد کسی خاص موضوع یا مسئلہ پر ایک منظّم اور ترتیب شدہ نفس مضمون کا زبانی اظہار کرتا ہے اور طلبہ خاموشی کے ساتھ معلم کی بات کو سماعت کرتے ہیں۔اس لیے لکچر ہی ایسا تدریسی طریقہ ہے جس کے ذریعہ بیک وقت پوری جماعت کو پڑھایا جاسکتا ہے۔یہ بات صحیح ہے کہ اس میں یک طرفہ حرکت ہے۔یعنی کہ معلم فعال رہتا ہے اور طلبہ خاموش رہتے ہیں لیکن معلم نفس مضمون کو نہایت ترتیب اور منطقی انداز میں پیش کرتا ہے تا کہ طلبہ آسانی سے سمجھ لیں۔اگر معلم کسی موضوع پر معلومات فراہم کرنا چاہتا ہے تو یہ طریقہ معقول اور مناسب ہے۔یہ طریقہ تدریس اعلیٰ جماعت کے طلبہ کے لیے کافی موزوں و مناسب ہے کیوں کہ اس سطح پر طلبہ کی ذہنی صلاحیت کافی پختہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے طلبہ سنی ہوئی باتوں کو آسانی کے ساتھ یاد رکھ سکتے ہیں۔

اس طریقے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ لکچر کو پہلے سے تیار کر لینا چاہیے۔لکچر میں وحدت ہونی ضروری ہے۔نفس مضمون سے ہٹنا نہیں چاہیے۔معلم خود نوٹ نہ لکھوائے بلکہ طلبا خود اپنی ضرورت کے پیش نظر اہم نکات نوٹ کرتے رہیں۔لکچر کو امدادی اشیا سے موثر بنانا چاہیے اور اس کے اشارات تختۂ سیاہ پر تحریر کیے جائیں۔معلم کو نفس مضمون پر عبور ہو اور خود اعتمادی کے ساتھ اپنے خیالات کو پیش کرے۔لکچر کے بعد طلبہ کے سوالات کا جواب دینا چاہیے اور منفی رویہ سے پرہیز کیا جائے تو اس طریقہ کو تدریس میں ایک اہم مقام دلایا جاسکتا ہے۔

اداکاری یا ڈرامائی طریقہ:

درس و تدریس میں اداکاری یا ڈرامائی طریقہ کی کافی اہمیت ہے۔اس طریقہ سے طالب علموں میں اپنے خیالات، جذبات اور احساسات کو بیان کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ڈرامے میں جسمانی حرکات اور اظہار جذبات کی کافی اہمیت ہے۔اداکاری میں مکالمہ ایک اہم جز ہے۔جس طرح ایک اداکار اسٹیج پر اپنی اداکاری سے ناظرین کو مسحور کر لیتا ہے اسی طرح معلم کو بھی چاہیے کہ کسی خاص مضمون کو پڑھاتے ہوئے اداکاری کو اہمیت دے۔عمل کے ذریعہ اظہار خیالات اور مختلف جذبات کو بیان کرنے کے لئے ڈرامہ کو استعمال کیا جاتا ہے۔ڈرامائی انداز پیدا کر کے سبق کو انتہائی دلچسپ اور تفریحی بنایا جاسکتا ہے۔

اگر معلم اپنے سبق کو موثر ڈھنگ سے پڑھانا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ جو باتیں صرف زبان سے ادا کرنی ہیں تو انھیں جسمانی حرکات وسکنات کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے۔

بچے نقل پسند ہوتے ہیں اس لیے وہ اساتذہ کی نقل کرتے ہیں جس سے ان کے فطری میلانات کو تحریک ملتی ہے۔اس میں مکالمہ کو اہمیت ہے جو مکالمہ کردار بولتے ہیں وہ ان کے علم میں اضافہ کرتے ہیں اس سے طلبہ جذبات کو ٹھیک طرح سے سمجھ لیتے ہیں۔مختلف کرداروں کی خصوصیات سے انھیں واقفیت ہو جاتی ہے۔معلم اس طریقہ کو نظم پڑھانے میں استعمال کرسکتا ہے یا پھر طلبہ کو مختلف کردار دے کر پیش کرسکتا ہے۔وہ اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور طلبہ کی حسی قوتیں تیز ہو جاتی ہیں۔تخلیقی صلاحیت پروان چڑھتی ہے۔طلبہ کی شخصیت موثر اور پرکشش بنتی ہے۔طلبہ کو اپنی رائے کے اظہار کا موقع ملتا ہے۔

بحث ومباحثہ کا طریقہ:

جدید تعلیم کی ایک تکنیک یہ بھی ہے کہ تعلیم کو جمہوری بنایا جائے اور بچوں کی صلاحیتوں کی آزادانہ نشوونما ہو۔اس مقصد کے حصول کے لئے بحث ومباحثہ طریقہ تدریس کو کافی اہم سمجھا جاتا ہے۔اس سے مراد کسی موضوع پر مدلّل گفتگو ہے۔اس طریقہ کار میں بچے کو ایک موضوع دے دیا جاتا ہے اور وہاں پر وہ تائیدی یا تردیدی خیالات کا اظہار اپنے دلائل کے ساتھ کرتا ہے۔اس سے بچے کے غور وفکر کی قوت اور استدلالی قوتوں کو فروغ ملتا ہے۔

اس طریقہ تدریس سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ طلبہ تدریس میں سرگرم حصہ دار بن جاتے ہیں اس طرح طلبہ پر آموزش اور تدریس کے پائیدار اثرات مرتّب ہوتے ہیں۔اس میں ان کا علم خود کا حاصل کردہ علم ہوتا ہے اور اس قسم کا علم ہمیشہ پائیدار ہوتا ہے۔اور پوری طرح ذہن نشین ہو جاتا ہے۔اس سے دوسرا بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ میں تنقیدی شعور پیدا ہوتا ہے۔نئے خیالات کی پرورش ہوتی ہے۔اس سے طلبہ میں استدلالی قوتوں کا فروغ ہوتا ہے۔اور طلبہ کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہوتا ہے اور قوت تقریر بھی پروان چڑھتی ہے۔ان میں جھجھک نکل جاتی ہے اور وہ روانی اور آزادی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔معلم کو چاہیے کہ طلبا میں اصولی بحث کرنے، صحیح جواب دینے اور سوالات دریافت کرنے کا شوق پیدا کرے۔اس کے لیے ضروری ہے کہ طلبہ سے ایسے مسائل کے جوابات طلب کیے جائیں جو عام سطح سے بلند اور الگ ہوں۔اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ یہ طریقہ طلبہ کے اندر استدلالی قوتوں کے فروغ میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

تجربہ اور مشاہدہ کا طریقہ:

تجربہ یا مشاہدہ زندگی کا ایک اہم جز ہے۔ہر انسان اپنی زندگی میں تجربات اور مشاہدات سے کچھ نہ کچھ سیکھتا ہے۔اس طریقہ میں طلبہ خود تجربہ کرتے ہیں۔کبھی کبھی استاد تجربہ کر کے دکھاتا ہے اور طلبہ مشاہدہ کرتے ہیں اس کے بعد نتائج اخذ کرتے ہیں۔مثلاً سائنس کی تدریس میں تجربہ کا کافی عمل دخل ہے۔اس طریقہ تدریس کو سماجی علوم کی تدریس میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اور اب تو زبان سکھانے کے تجربہ گاہ(Language Lab) بھی کافی استعمال ہونے ہونے لگے ہیں جس سے طلبہ زبان سیکھتے ہیں۔

اس طریقے پر مبنی تعلیم اس اصول پر بنی ہے کہ سیکھنے والے کو سیکھنے کے عمل میں حصّہ لینا چاہیے۔یہ طریقہ بچوں کے مقاصد، دلچسپیوں اور ضرورتوں پر زیادہ زور دیتا ہے۔نصابی کتابوں اور نصابی مضامین کی کوئی پابندی نہیں ہوتی اس لیے یہ بچوں کے لیے زیادہ دلچسپ اور موزوں طریقہ ہے۔اس طریقہ تعلیم میں مل جل کر کام کرنا، سماجی زندگی کے مسائل سے واقفیت حاصل کرنا اور خود ان کا تجربہ کرنا اور مسائل کے حل کی کوشش کرنا ہے۔اس طرح جو چیزیں طلبہ کے ذاتی تجربہ میں آئیں گی وہ اس کے علم کی یادداشت کا حصہ بن جائیں گی۔وہ تمام چیزیں آسانی سے ذہن نشیں ہو جاتی ہیں اور طلبہ کو حقائق کا گہرا فہم ہو جاتا ہے۔

اس طریقۂ تدریس میں کمرۂ جماعت کو ضروری ساز وسامان سے آراستہ کیا جاتا ہے۔جس میں نقشے، ماڈل، تصاویر، ٹی وی، ریڈیو اور دوسری چیزیں رکھی جاتی ہیں اور طلبہ اسے اپنی تجربہ گاہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ جملہ تجربہ گاہ کی سہولتوں سے کام لیکر کسی مسئلے کا حل معلوم کرتے ہیں یا کسی منصوبہ کو مکمل کرتے ہیں۔اس طریقہ میں استاد ایک رہنما کا کام کرتا ہے۔

منصوبائی طریقہ:

اس طریقہ تدریس کا بانی امریکی ماہر تعلیم جان ڈیوی ہے۔وہ کہتا ہے جو تعلیم زندگی سے تعلق توڑے وہ نہ صرف کامیاب انسان پیدا کرنے میں ناکام رہتی ہے بلکہ طلبہ کے لیے پھیکی اور بدمزہ بن کر رہ جاتی ہے۔چنانچہ خشک کتابیں رٹوانے کے بجائے تعلیم کو زندہ مسائل سے ہم آہنگ کر کے اس کے طریقہ کار کو بہتر بنانا چاہیے۔اس نے اس کی تعریف اس طرح بیان کی ہے" منصوبہ ایک بامعنی عملی سرگرمی کا نام ہے جو کسی مسئلے کی پیداوار ہو،اور طلبہ کے ہاتھوں قدرتی ماحول میں انجام پائے اور اس کی تکمیل کے لیے ساز وسامان کی ضرورت لاحق ہو" اگر ہم اس تعریف پر غور کریں تو درج ذیل نکات نظر آتے ہیں:

الف۔ ہر منصوبہ کسی حقیقی مسئلے کی پیداوار ہوتا ہے۔اسکا مطلب یہ ہے کہ طلبہ کو پہلے کسی ضرورت یا دشواری کا احساس ہو پھر وہ اس دشواری پر قابو پانے کی عملی تدابیر سوچیں اور اس کے عملی منصوبہ بنائیں۔

ب۔ منصوبہ ایسا ہو جو لگاتار مطالعہ اور مسلسل سرگرمی کا مطالبہ کرے۔

ج۔ مسئلے کا عملی حل تلاش کرنے کے لئے جو سرگرمیاں نظر آئیں طلبہ انھیں خود انجام دیں۔

د۔ مسئلے کا حل نظری کے بجائے عملی قسم کا ہو۔

منصوبے دو طرح کے ہوتے ہیں:

(1) انفرادی

(2) گروہی۔

انفرادی منصوبہ وہ ہے جس میں ایک طالب علم منصوبہ مکمل کرے۔اگر اسی منصوبے میں بہت سے طلبہ ملکر کسی کام کو کرتے ہیں اس میں کام کی تقسیم کردی جاتی ہے۔مثلاً ایک منصوبہ ہے" شعرا کا تذکرہ" اس میں ایک گروہ ایک شاعر کے بارے میں معلومات فراہم کرے۔ دوسرا گروہ دوسرے شاعر کے بارے میں معلومات جمع کرے۔

منصوبائی طریقہ کے مختلف مدارج ہوتے ہیں جو اس طرح ہیں:

(1) مقصد کا تعین

(2) پلاننگ

(3) معلومات کی فراہمی

(4) نتائج اخذ کرنا ۔اس طریقہ میں تخلیقی کام کے ذریعہ بچے کو اظہار خودی کا موقع کا ملتا ہے اور وہ مل جل کر کام کرنا سیکھتا ہے۔

گروہی تدریس: دور جدید میں یہ تصور عام ہے کہ بعض اوقات محض ایک استاد تدریس کے لیے ناکافی ہوتا ہے۔اس لئے کہ کئی استاد مل کر خاص طور پر تدریسی وحدت میں ٹیم کے انداز میں پڑھاتے ہیں۔چنانچہ اس طریقہ تدریس کو" ٹیم ٹیچنگ" بھی کہا جاتا ہے۔اس کے دو طریقے ہیں۔

(1) مختلف مضامین کے اساتذہ مل کر پڑھائیں۔

(2) ایک مضمون کے اساتذہ مل کرایک سبق تیار کریں۔

تدریس اردو میں دونوں طریقے مفید ہیں۔مثلاً۔ پہلے طریقے میں اشارات سبق تیار کرتے ہو;ے ایک استاد کو تدریسی سامان کی تیاری کے لیے آرٹ کے استاد کی مدد درکار رہوتی ہے۔دوسرے طریقے میں ایک استاد نثر یا نظم کی عمدہ تدریس کرسکتا ہے تو دوسرا اس کے معنی،قواعد،انشایا اصلاح وتصحیح کا کام بہتر انجام دے سکتا ہے۔اس طرح ہر استاد اپنی اہلیت کے مطابق سبق کا خاص حصّہ پڑھاتا ہے اور نصاب بھی وقت پر ختم ہوجاتا ہے۔بعض اوقات ایک ہی وقت میں کئی اساتذہ مل کر تدریسی فعل انجام دیتے ہیں اور طلبہ کو مختلف گروہ میں تقسیم کردیا جاتا ہے۔اس طریقۂ تدریس میں اساتذہ کی خصوصی صلاحیت سے طلبہ کو فائدہ پہنچتا ہے۔طلبہ پر انفرادی توجہ دی جاسکتی ہے۔طلبہ ایسے طریقۂ تدریس میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔

استقرائی طریقہ: تدریس کا وہ طریقہ جس کی بدولت طلبہ متعدد واقعات،حقائق یا مثالوں کا تجزیہ کرکے براہ راست کسی نتیجے پر پہنچتے اور کوئی اصول ،ضابطہ یا کلیہ اخذ کرتے ہیں،استقرائی طریقہ کہلاتا ہے۔اس طریقے میں معلم ایک خاص ترتیب سے طلبہ کو مخصوص واقعات اور مثالوں کے تجربے،مشاہدے ،مطالعہ کا موقع فراہم کرتا ہے۔معلم کی رہنمائی میں طلبہ ان مثالوں کا تجزیہ اور باہم مقابلہ وموازنہ کرتے ہیں'ان کے درمیان مماثلت یا فرق تلاش کرتے ہیں اور اس طرح کسی حقیقت تک پہنچتے یا کوئی عام اصول،کلیہ یا قاعدہ اخذ کرتے ہیں۔مثلاً۔طلبہ 3 کو 5 بار جوڑتے ہیں (15=3+3+3+3+3) اور تین کا پانچ تک پہاڑہ (3 x 5 = 15) پڑھتے ہیں تو دونوں صورتوں میں پندرہ جواب آتا ہے۔یہی عمل کئی اعداد پر کرتے ہیں۔اس طرح کی متعدد مثالوں سے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ''جوڑ کا آسان طریقہ ضرب ہے''اسی طرح دھات کا ایک گولہ لیتے ہیں جو ایک حلقے یا سوراخ سے بآسانی گزر جاتا ہے،اسے گرم کرتے ہیں،اب وہ نہیں گزرتا۔یہی عمل مختلف دھاتوں کے گولوں پر کرتے ہیں۔ہر بار حاصل ایک ہی ہوتا ہے۔آخر وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ''چیزیں گرمی پاکر پھیلتی ہیں''۔لیکن جب وہ گولے ٹھنڈے ہوجاتے ہیں تو پھر حلقے سے بآسانی گزر جاتے ہیں اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ''چیزیں ٹھنڈی ہوکر سکڑتی ہیں۔''

استقرائی طریقہ کے مراحل: استقرائی طریقے سے تعلیم دیتے وقت چند مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔یہ مراحل مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) مثال:سب سے پہلے طلبہ کے سامنے کئی طرح کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(ب) معائنہ:اس کے بعد طلبہ حقائق کی تحقیق وجستجو کرتے ہیں۔طلبہ کے ذریعہ مثالوں کا مقابلہ وموازنہ کیا جاتا ہے پھر ان میں مماثلت تلاش کی جاتی ہے۔طلبہ تحقیق کے بعد ہی کسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔

(ج) ضابطہ یا کلیہ: طلبہ کے ذریعہ مثالوں کے موازنہ ومماثلت کی بنیاد پر کسی اصول،ضابطے یا کلیہ کو اخذ کرتے ہیں۔

(د) جانچ:سب سے آخر میں طلبہ دوسری مثالوں کا بھی مطالعہ کرتے ہیں اور خود کے نکالے ہوئے ضابطے کی جانچ کرتے ہیں۔

استقرائی طریقے میں تدریس کے تین اصولوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔

(1) خاص سے عام کی طرف

(2) معلوم سے نامعلوم کی طرف

(3) کل سے جز کی طرف

یہ طریقہ تدریس علم کے حصول کا معقول اور منطقی طریقہ ہے۔ مدرّس مخصوص مثالیں یا واقعات خاص ترتیب سے فراہم کردیتا ہے۔ طلبہ ان کا تجزیہ کر کے نتیجہ اخذ کرلیتے ہیں۔ اس طرح طلبہ سبق میں عملی دلچسپی لیتے اور ہمہ تن متوجہ ومصروف رہتے ہیں۔ اس طریقہ میں طلبہ کو غوروفکر، استدلال اور فیصلہ کرنے کا پورا موقع ملتا ہے۔ طلبہ کو خود کر کے سیکھنے کے تمام فوائد حاصل ہوتے ہیں، علم کی پختگی، علم کو عمل میں لانے کا سلیقہ، مسائل سے خود نمٹنے کی صلاحیت، جبلی تقاضوں اور فطری خواہشات کی تسکین وغیرہ ملتی ہے۔ بنی نوع انسان نے تمام معلومات اسی طرح حاصل کی ہیں۔ خود مشاہدہ وتجربہ کیا ہے۔ اس لیے معلومات کے حصول کا یہی فطری ونفسیاتی طریقہ ہے۔

استخراجی طریقہ: یہ طریقہ استقرائی کی ضد ہے۔ اس میں معلم خود ہی طلبہ کو کوئی عام اصول، ضابطہ یا کلیہ بتادیتا ہے۔ پھر مخصوص مثالوں سے اس کی وضاحت کردیتا ہے۔ طلبہ معلم کے اعتماد پر اسے تسلیم کرلیتے ہیں مزید تصدیق کے لئے بعد میں وہ کچھ اور مثالوں پر اس کلیہ کو منطبق کرنے کا موقع دیتا ہے۔ مثلاً۔ قواعد میں استاد نے اسم، ضمیر، فعل، حرف یا صفت کی تعریف بتادی، مثالوں سے واضح کردیا۔ طلبہ نے استاد کے علم پر بھروسہ کر کے انھیں مان لیا۔ ایک پیراگراف دے کر طلبہ سے کہا گیا کہ وہ اس میں سے اسم، فعل، حرف وغیرہ کی نشاندہی کرے۔ اگر طلبہ ٹھیک نشاندہی کردیتے ہیں تو سبق کامیاب ہے۔ اسی طرح ریاضی میں کوئی طریقہ یا قاعدہ بتا کر مثالوں سے واضح کردیا گیا۔ اب طلبہ اسی قاعدے کو استعمال کر کے مزید سوالات حل کرتے ہیں تو سبق کامیاب شمار کیا جاتا ہے۔ اس طریقہ تدریس میں معلم اپنے علم وتجربات کی جو بڑی محنت سے اور بہت کچھ کھوکر حاصل کرتے ہیں قلیل مدت میں بچوں کو منتقل کردیتے ہیں۔ چنانچہ بچوں کا وقت ان چیزوں کو خود کر کے سیکھنے پر ضائع نہیں ہوتا جن پر بڑے اپنا بہت سا وقت، قوت وپیسہ خرچ کرچکے ہیں۔ مذکورہ طریقہ تدریس میں معلم کا کام بہت آسان ہوجاتا ہے۔ وہ ایک قاعدہ یا اصول بتادیتا ہے، طلبہ اسے یاد کر کے اس کی مدد سے متعدد مسائل حل کرتے ہیں۔

استخراجی طریقہ کے مراحل	:	استخراجی طریقہ کا استعمال کرنے میں درج ذیل مرحلوں کا استعمال ہوتا ہے۔
(الف) اصول اور تعریف	:	اس مرحلے میں طلبہ کے سامنے کوئی اصول یا تعریف پیش کی جاتی ہے۔
(ب) استعمال یا مثال	:	تعریف اور اصول کو ثابت کرنے کے لیے مثال پیش کی جاتی ہے۔
(ج) نتیجہ	:	استعمال اور مثال کے ذریعہ کسی نتیجہ پر پہنچا جاتا ہے۔
(د) جانچ	:	طلبہ کے ذریعہ استعمال اور مثال کی مدد سے نتیجہ کی جانچ کی جاتی ہے۔

استخراجی طریقہ تدریس میں دو تدریسی اصولوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔

(1) عام سے خاص کی طرف

(2) جز سے کل کی طرف

3.9 یاد رکھنے کے نکات

☆ تدریس ایک معاشرتی اور جمہوری عمل ہے جس میں طلبا کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ تدریس کی مدد سے معلم، طلبا اور مضامین میں ربط قائم کرتا ہے۔

☆ تدریس ایک امدادی شئے ہے جو بچے کو موثر انداز میں ماحول کے مطابق ردعمل کے لئے تیار کرتی ہے۔ تدریس طلبا کی عادتیں، شعور اور دلچسپیوں کو فروغ دیتی ہے تاکہ وہ زندگی میں مطابقت پیدا کرنے کے لائق ہوجائیں۔

☆ ایک معیاری/اچھی تدریس کی خصوصیات۔طلبا کو مطلوبہ معلومات دینا، رہنمائی کرنا منتخب باتوں کا علم دینا، ہمدردی کرنا، تعاون کرنا، جمہوری اور ترقی پذیر بنانا ہے۔

☆ تدریس کے اہم اصول۔آمادگی، انتخاب، زندگی سے مربوط، خود کر کے سیکھنا، تقسیم اور اعادہ کے اصول ہیں۔

☆ تدریس کے اقدامی اصول سبق کو دلچسپ، واضح اور کامیاب بناتے ہیں۔ان میں معلوم سے نامعلوم کی طرف، آسان سے مشکل کی طرف، ٹھوس سے مجرد کی طرف، غیر معین سے معین کی طرف، غیر واضح سے واضح کی طرف، خاص سے عام کی طرف، منطقی ترتیب اور نفسیاتی ترتیب کا لحاظ اہم ہیں۔

☆ ابتدائی جماعت سے لے کر اعلیٰ جماعت تک کی تدریس میں مختلف طریقۂ کار استعمال کئے جاتے ہیں۔جن میں کھیل کھیل کا طریقہ، کہانی کا طریقہ، سوال وجواب کا طریقہ، لکچر کا طریقہ، اداکاری کا طریقہ، بحث ومباحثہ کا طریقہ، منصوبائی طریقہ، استقرائی واستخراجی طریقہ اہم ہیں۔

3.10 اپنی معلومات کی جانچ

1۔ تدریس کے مفہوم کو مختلف تعریفوں کی مدد سے واضح کیجئے۔

2۔ تدریس کی اہمیت وافادیت اجاگر کیجئے۔

3۔ ایک معیاری تدریس کی خصوصیات بیان کیجئے۔

4۔ تدریس کے مختلف اصولوں کو قلم بند کیجئے۔

5۔ تدریس کے مختلف طریقۂ کار کو مختصراً بیان کیجئے۔

6۔ ثانوی سطح کے طلبا کو پڑھاتے وقت آپ کون سا تدریسی طریقہ اختیار کریں گے۔اور کیوں؟

7۔ لکچر طریقۂ کار کی خوبیوں اور خامیوں کا احاطہ کیجئے۔

8۔ استقرائی اور استخراجی طریقۂ کار کے درمیان فرق کو واضح کیجئے۔

3.11 سفارش کردہ کتابیں

معین الدین ۔ اردو زبان کی تدریس

سلیم عبداللہ ۔ اردو کیسے پڑھائیں

سید جلیل الدین ۔ طریقۂ تدریس اردو

ڈاکٹر سلامت اللہ ۔ ہم کیسے پڑھائیں

احمد حسین ۔ تدریس اردو

نجم السحر وصابرہ سعید ۔ تدریس اردو

اکائی ۔4۔ زبان کی مہارتیں

ساخت

4.1 تمہید

4.2 مقاصد

4.3 زبان کی مہارتیں

4.4 سننا اور اس کی اہمیت

☆ سننے کی صلاحیت کو فروغ دینے کی تدابیر

4.5 بولنا اور اس کی اہمیت

☆ بولنے کی غلطیاں ۔تدارک کی تدابیر

4.6 پڑھنا اور اس کی اہمیت

☆ پڑھنے کی صلاحیت کو فروغ دینے کی تدابیر

4.7 لکھنا اور اس کی اہمیت

☆ لکھنے کی صلاحیت کو فروغ دینے کی تدابیر

4.8 پڑھنا اور لکھنا۔ پہلے کیا ہونا چاہیے۔

4.9 کمرۂ جماعت میں لسانی فروغ کی سرگرمیاں

4.10 یاد رکھنے کے نکات

4.11 اپنی معلومات کی جانچ

4.12 سفارش کردہ کتب

4.1 تمہید:

سماج میں زبان کی مہارتوں پر خصوصی توجہ دینا ضروری ہے اس کے لیے مختلف مہارتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ طلبہ کی مکمل نشو ونما کے لیے ان کی مہارتیں ضروری ہیں۔ بچے اپنی روزمرہ زندگی میں مختلف تجربات حاصل کرتے ہیں۔ سننا، بولنا، پڑھنا، لکھنا جیسی چار مہارتیں زبان کی ترقی کے لیے ضروری ہیں۔ زبان کی مہارتیں طلبہ کو مکمل تعلیم دینے میں ابتدائی سطح میں انتہائی ضروری ہیں چنانچہ اس بارے میں اس کے متعلق تفصیل سے معلومات حاصل کریں گے۔

4.2 مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد طلبہ:

☆ زبان کی مہارتوں سے متعلق واقفیت حاصل کریں گے۔

☆ زبان کی مہارتوں کی اہمیت سے واقف ہوں گے۔

☆ زبان کی مہارتوں کو فروغ دینے کے لیے کمرۂ جماعت میں کیے جانے والے مشاغل سے متعلق واقف ہوں گے۔

☆ زبان کی مہارتوں کو بچوں میں فروغ دینے کے لیے معلم کے کردار سے واقف ہوں گے۔

4.3 زبان کی مہارتیں

زبان کی تدریس کے لیے بنیادی استعداد کا ہونا ضروری ہے ان بنیادی صلاحیتوں کی نشو ونما کے لیے چار مہارتوں کا ہونا ضروری ہے جو درج ذیل ہیں:

(1) سننا

(2) بولنا

(3) پڑھنا

(4) لکھنا (تحریری مہارت)

4.4 سننااس کی اہمیت

سامنے والے کی گفتگو کو دلچسپی اور غور سے سننا بڑی اہم صلاحیت ہے۔ زبان کو بہتر انداز میں استعمال نہ کرنے کی وجہ سامنے والے کی گفتگو کا صحیح نہ سننا ہے۔ سامنے والا جب گفتگو کرے تو اُسے بغور سننا چاہیے۔ صحیح انداز میں کس طرح سے گفتگو کی جانی چاہیے اس کا علم ہوتا ہے۔ سننے کی صلاحیت بہتر نہ ہونے کی وجہ سے بہتر گفتگو نہیں کر پاتے۔ بچوں کو صحیح گفتگو کرنے کے لیے انھیں سننے کی مشقیں فراہم کی جانی چاہئیں۔ بغور سننا ہی صحیح گفتگو کے لیے اور صحیح گفتگو ہی صحیح پڑھنے میں اور صحیح لکھنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ اس تسلسل میں سننا پہلا قدم ہوتا ہے۔

سننے کی مہارتوں میں طلبہ سے ہم کیا امید کر سکتے ہیں۔

☆ دوسروں کی گفتگو کے دوران بغور آوازوں کو شناخت کرنا۔

☆ آواز کے فرق اور ساخت کے مطابق خیالات کو ظاہر کرنا۔

☆ مختلف آوازوں کو نکالتے وقت ان کے پیدا ہونے کے طریقہ پر غور کرنا۔

☆ کسی بھی چیز کا بغور مشاہدہ کرنا۔

☆ سننے کی صلاحیتوں کو فروغ دینے کی تدابیر:

معلم طلبہ کو لطف اندوز کرنے والی نظموں اور گیتوں کو موثر انداز میں سنانے کی وجہ سے ان کے سننے کی صلاحیت کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ بچوں کے لیے لطف اندوز کرنے والے دلچسپ مضامین ہوں تو وہ سننے میں دلچسپی لیتے ہیں۔ معلم کی گفتگو موضوع کی تشریح طلبہ میں سننے کے شوق کو اجاگر کرتے ہیں۔

معلم طلبا میں بہترین کہانیوں کے ذریعہ انفرادی طور پر اپنے الفاظ میں طلبا سے انہیں کہانیوں کے اعادہ کرنے اور ان میں پائے جانے والے مشکل الفاظ کو دہرانا چاہیے۔ ٹیپ ریکارڈ، ٹی۔ وی، ریڈیو سے موثر پروگراموں کو سنانا۔

معلم طلبا میں سننے کی عادتوں کو فروغ دینے کے لیے بہترین گیت، نظمیں ترنم کے ساتھ یاد کرانی چاہیے پھر ان سے اعادہ کے طور پر وہی نظمیں اور گیت سننے چاہیے۔

4.5 بولنا اور اس کی اہمیت

بولنے سے مراد گفتگو کرنا ہے۔ صحیح اور بہتر انداز میں اپنے خیالات کو دوسروں تک بات چیت کے انداز میں پہونچانا ہی بولنا کہلاتا ہے۔ سامنے والے کو سننے کے لیے بہتر انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کرنا بھی ایک فن ہے۔

بولنے کو ادا کرنے کا طریقہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ گفتگو کرتے وقت خیالات کے بہتر اور واضح لحن اختیار کرنا چاہیے کسی لفظ کو کس طرح ادا کرنا چاہیے کس جملہ کو کس طرح ادا کرنا چاہیے اس کے فرق کی مناسبت سے گفتگو کرنے کو معیار کہتے ہیں۔ اظہار خیال کی تفہیم میں جسمانی اداکاری کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ جسمانی اداکاری سے مراد منہ اور ہونٹوں کا ہلنا ہے۔ گفتگو میں ان دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ بولنے کی مہارت میں طلبہ سے ہم کیا امید کر سکتے ہیں:

☆ بہتر انداز میں گفتگو کرنا۔

☆ غلطیوں کے بغیر گفتگو کرنا۔

☆ بلاخوف وخطر گفتگو کرنا۔

☆ روانی کے ساتھ گفتگو کرنا۔

☆ تفہیمی انداز میں گفتگو کرنا۔

☆ موقع کی مناسبت سے گفتگو کرنا۔

☆ حرکات وسکنات کے ساتھ گفتگو کرنا۔

☆ ضرورت کے لحاظ سے محاورے اور ضرب المثل کا استعمال کرتے ہوئے گفتگو کرنا۔

☆ شاعرانہ انداز میں گفتگو کرنا۔

☆ انفرادی اسلوب میں گفتگو کرنا۔

☆ بولنے کی غلطیاں۔ تدارک کی تدابیر:

طلبہ میں بولنے کی صلاحیت کو فروغ دینا ہو تو ان کو کمرۂ جماعت میں آزادی کے ساتھ گفتگو کرنے کا ماحول مہیا کرنا چاہیے۔ اس کے لیے مناسب پس منظر فراہم کرنا چاہیے۔ نئے نئے الفاظ کو ان کے اپنے جملوں میں استعمال کروا کر گفتگو کرنے کی عادت ڈالنا چاہیے۔ مثلاً:

1) کمرۂ جماعت میں بچے پڑھ رہے ہیں۔

2) کمرۂ جماعت میں بچے کھیل رہے ہیں۔

3) کمرۂ جماعت میں بچے سبق یاد کر رہے ہیں۔

مندرجہ بالا الفاظ کو استعمال کرتے ہوئے بچوں سے بات کروانا چاہیے اسی وقت وہ الفاظ استعمال کر سکتے ہیں۔

☆ بچوں سے موثر انداز میں گفتگو کرنا۔

☆ بچوں کے پسندیدہ اور دلچسپ چیزوں کے بارے میں گفتگو کروانا۔

☆ تصویری کہانیوں اور تصویروں کے ذریعہ گفتگو کرنا۔

☆ معلم بچوں میں گیت سنانا اور پھر انفرادی اور اجتماعی گروپ سے انھیں گیتوں کو سنانے کو کہنا۔

☆ اداکاری پر مشتمل گیتوں کو معلم بہتر اداکاری کے ذریعہ خود گانا اور طلبہ کو گانے کے لیے کہنا۔ مختلف قسم کی کہانیاں سنانا اور دوران کہانی متعلقہ تصاویر کا استعمال کرنا۔

☆ کسی ایک موضوع کے تحت بچوں سے لکھوانا۔ جیسے موسم برسات، میرا پسندیدہ کھیل، ہمارا گاؤں وغیرہ۔

☆ کمرۂ جماعت میں تمام کے روبرو اپنے انداز میں موضوعات پر طلبہ سے تقریر کروانا۔

☆ بیت بازی منعقد کروانا۔

4.6 پڑھنا اور اس کی اہمیت:

خصوصی معلومات کو حاصل کرنے کے لیے سننے اور بولنے کی صلاحیتیں کافی نہیں۔ معلومات لامحدود ہوتی ہیں۔ کتب بینی کے ذریعہ انسان معلومات کو حاصل کرتا ہے۔ ایک فرد کو اچھی کتب بینی سے دلچسپی بہترین اقدار میں شامل کی گئی ہے۔ جواہر لعل نہرو، سروے پلی رادھا کرشنن، بابائے اردو مولوی عبدالحق، ڈاکٹر زور جیسے بڑے بڑے دانشور ہمیشہ ہی سے پڑھنے کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ مطالعہ سے دانشور بننے والے بے شمار ہیں۔ بہتر کتب بینی انسان کے ذخیرۂ الفاظ اور معلومات کو وسیع کرتی ہے۔ موجودہ دور میں علم کی ترقی میں صحافت کے ذریعہ حاصل ہونے والی جدیدیت کا انطباق انتہائی ضروری ہے۔ اس

حسین دنیا کو دیکھنے کے لیے آنکھ کی جتنی ضرورت ہوتی ہے،اس دنیا کی معلومات کے لیے مطالعہ اتنا ہی ضروری ہے۔ پڑھنے کی مہارت میں طلبہ سے ہم کیا امید کر سکتے ہیں:

☆ بہتر انداز میں پڑھے۔

☆ غلطیوں کے بغیر پڑھے۔

☆ بلا خوف وخطر پڑھے۔

☆ روانی کے ساتھ پڑھے۔

☆ تفہیم کے ساتھ پڑھے۔

☆ خیالات کے تسلسل کے ساتھ پڑھے۔

☆ تغیر لحن کے ساتھ پڑھے۔

☆ موقع کی مناسبت سے پڑھے۔

☆ اصول وضوابط کے ساتھ پڑھے۔

☆ کام کی مناسبت سے پڑھے۔

☆ اداکاری سے پڑھے۔

☆ تشفی کے ساتھ پڑھے۔

☆ انفرادی اسلوب سے پڑھے۔

☆ پڑھنے کی صلاحیت کو فروغ دینے کی تدابیر:

پڑھنے کی طریقے:

ذیل کے طریقوں کو اختیار کرتے ہوئے مناسب طریقہ کو استعمال کرتے ہوئے پڑھنے کی صلاحیت کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔

(1) حروف تہجی کا طریقہ/ ابجدی طریقہ:

یہ ایک روایتی طریقہ ہے۔اس میں فلیش کارڈ کی مدد سے اس کو سکھایا جاتا ہے۔کاغذ کے ٹکڑوں پر حروف کو اچھی طرح لکھ کر ایک ایک حرف کو بتاتے ہوئے معلم مخاطب ہوتا ہے۔طلبہ اس حرف کو دیکھ کر بتلاتے ہیں۔تمام حروف الگ الگ شناخت کروانے کے بعد دو حروف کو ملانے سے بننے والے الفاظ طلبہ جوڑ کر پڑھتے ہیں۔جیسے: ا+ب=اب۔ ب+س=بس۔

(2) نئے حروف کا طریقہ:

حروف تہجی کے مطابق روز مرہ زندگی کے معاملات میں استعمال نہ کیے جانے والے حروف کو نکال کر باقی حروف ہی کو پہلے سکھانا، نئے حروف کا طریقہ کہا جاتا ہے۔حروف میں تقابل سے حروف کے گروپ بنا کر ایک ایک گروپ ایک یونٹ کے طور پر سکھایا جاتا ہے۔

(3) لفظی طریقہ:

دیکھو اور بولو کے طریقہ کو لفظی طریقہ کہتے ہیں اس میں فلیش کارڈ استعمال ہوتے ہیں۔ ایک کارڈ پر طلبہ کو معلوم چیزوں کی تصویر کشی کے ذریعہ اس کے نیچے اس کا نام لکھنے کو کہا جاتا ہے، اس کو شناختی کارڈ کہتے ہیں۔ دوسرے کارڈ پر ایک جانب اس چیز کی تصویر، دوسری جانب اس کا نام لکھنا چاہیے۔ اس کو دورخی کارڈ کہتے ہیں اس کے بعد ایک کارڈ پر تصویر دوسرے کارڈ پر اس کا نام لکھنا چاہیے۔ ان دونوں جوڑ کو جوڑ والے کارڈ کہتے ہیں۔ اس طریقہ سے تمام الفاظ کے لیے فلیش کارڈ تیار کر لینا چاہیے۔ شناختی کارڈ کو ایک ایک بچوں کو دکھانا چاہیے۔ اس پر موجود تصویر بچوں کو معلوم ہونے کی وجہ سے اس کو وہ آسانی سے شناخت کرتے ہیں۔ معلوم سے نامعلوم کے اصول کا یہاں اطلاق ہوتا ہے۔ اسی طرح تصاویر کی مدد سے بچوں کے ذریعہ الفاظ کو پڑھنا چاہیے۔ اس طرح پڑھنے کے ذریعہ ان حروف کی شکل ان کے ذہن میں نقش ہو جاتی ہے۔

ان حروف کو بار بار دکھا کر انھیں پڑھنے کی مشق کرانے سے تمام طلبہ تصویر کی مدد سے بغیر ان الفاظ کے حروف کو شناخت کرنے کی صلاحیت حاصل کرتے ہیں۔ اس کے بعد جوڑ والے کارڈ کو ان کے سامنے ان الفاظ کے تحت ان کی تصاویر دکھانا چاہیے۔ معلم کی ہدایت کے مطابق طلبہ تصویر کے نام کی شناخت کریں تو ان حروف کی شکلیں ان کے ذہن میں نقش ہو جاتی ہیں۔

(4) جملے کا طریقہ:

الفاظ کو خصوصیت کے ساتھ قبول کیے جانے کے بعد اس طریقہ میں جملوں کو خصوصیت کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔ ان جملوں کو ایک تسلسل میں لکھنا چاہیے۔ جملے لکھ کر ان کے مطلب کو اجاگر کرنے والی تصویر اتار کر کارڈ بنالینا چاہیے۔ جملوں کے کارڈ کو بچوں کے ذریعہ پڑھانا چاہیے۔ جملوں کے کارڈ کو الفاظ کے طریقہ کے مطابق تین طرح سے تیار کرنا چاہیے۔

1) شناختی جملے کے کارڈ

2) دورخی کارڈ

3) جوڑ والے جملوں کے کارڈ

(5) کہانی کا طریقہ:

دیکھ کر پڑھنے کے طریقہ میں کہانی کا طریقہ بھی ایک ہے۔ اس کے مطابق اسباق کو سکھانے کے لیے تین طریقوں کی کہانی کی تصاویر تیار کر لینی چاہیے۔

1) شناختی کہانی کی تصاویر

2) دورخی کہانی کی تصاویر

3) جوڑنے والے کہانی کی تصاویر۔

طالب علم کو پہلے کہانی پر بعد میں جملوں کے الفاظ پر اس کے بعد حروف پر توجہ مبذول کرواتے ہوئے حروف کی شناخت کرنے تک الفاظ کے طریقہ سے ہی تدریس کے طریقہ کو استعمال کرنا چاہیے۔

4.7 لکھنا اور اس کی اہمیت:

زبان کی مہارتوں میں آخری انتہائی اہمیت کی مہارت لکھنا ہے۔ لکھنے سے مراد تحریر کرنا ہے۔ اپنے خیالات کو بہتر تحریر کے ذریعہ راغب کرنے والے اسلوب میں خوش خطی کے ساتھ لکھنا زبان کی مہارت کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ شعرا اور مصنفین اپنے خیالات کو مختلف طریقوں سے تحریری انداز میں ہی پیش کرتے ہیں۔ خوش خطی طلبہ کے لیے ایک عظیم عطیہ ہے۔ لکھنے کی مہارت میں ہم طلبہ سے کیا امید کر سکتے ہیں:

- ☆ بہتر انداز میں لکھنا۔
- ☆ بغیر غلطیوں کے لکھنا۔
- ☆ بلا خوف وخطر لکھنا۔
- ☆ روانی کے ساتھ لکھنا۔
- ☆ خوبصورتی کے ساتھ لکھنا۔
- ☆ خیالات کے تسلسل کے ساتھ لکھنا۔
- ☆ رموز واوقاف کے ساتھ لکھنا۔
- ☆ موقع کی مناسبت سے خیالات کا ظہار کرتے ہوئے لکھنا۔
- ☆ قارئین کو سمجھنے کے انداز میں لکھنا۔
- ☆ محاورے اور ضرب المثل کا استعمال کرتے ہوئے لکھنا۔

☆ لکھنے کی صلاحیت کو فروغ دینے کی تدابیر:

لکھنے کی تیاری:۔ اکتساب کے لیے تیاری انتہائی اہم ہے۔ اس میں لکھنا بے حد مشکل مہارت ہے کیونکہ چھوٹے بچوں کے ہاتھ کی انگلیاں نہایت نرم و نازک ہوتی ہیں۔ قلم اور پنسل پکڑ کر لکھنے کے لیے ہاتھ کی انگلیوں کے عضلات کو مربوط ہونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ لکھتے وقت بصارت اور انگلیوں کے درمیان ربط وضبط ہونا چاہیے اسی وقت بچے درست لکھ سکتے ہیں۔ اس کے لیے بچوں کو لکھنے کے لیے تیار کرنا چاہیے۔ مدرسہ میں داخلہ کے ساتھ ہی انھیں حروف سکھانے کے بجائے پہلے قلم پکڑنے کا طریقہ سکھانا چاہیے۔ انھیں خوشی کے ساتھ رہنے کے لیے مختلف قسم کے خطوط، دائرے بتانا چاہیے۔ روایتی لکھنے کے مشاغل کروانا چاہیے۔ ان کی پسندیدہ تصاویر بنانے دینا چاہیے۔ وہ کسی بھی طرح تصویر اتاریں تو غلطی نہیں ہوتی۔ ان کا لکھنا ہی ہمارے لیے اہم ہے۔ بچے اس طرح ان کی پسندیدہ تصاویر دائرے، خطوط، اتارنے سے جڑ جاتے ہیں۔ لکھنا بھی ایک کھیل سمجھتے ہیں۔ بچوں کو کھیل بہت پسند ہوتے ہیں۔ ہم جو بھی سکھائیں کھیلوں کے ذریعہ ان فطری دلچسپی کو محسوس کرنا چاہیے۔ اسی وقت فطری اکتساب ہوتا ہے۔ اس طرح ان کے ہاتھ کی انگلیاں اور عضلات رفتہ رفتہ نظم و ضبط پیدا کرتے ہوئے لکھنے میں معاون ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ہم انھیں حروف کی جانب موڑ سکتے ہیں۔ اسی کو لکھنے کی تیاری کہتے ہیں۔

4.8 پڑھنا اور لکھنا۔ پہلے کیا ہونا چاہیے:

روایتی طریقہ میں اپنے مدرسہ میں آج تک زیادہ تر اساتذہ بچوں کے داخلہ کے ساتھ ہی لکھنا سکھانے کے ذریعہ تعلیم آغاز کر رہے ہیں۔ ان معصوم

بچوں کو کم عمری میں انھیں نہ سمجھ میں آنے والے حروف کو خراب حالت میں لکھوار ہے ہیں ۔ یہ طریقہ تعلیمی نفسیات کے اصولوں کے خلاف ہے۔ مہارتوں کو سکھانے میں سننا، بولنا، پڑھنا، لکھنا۔ اس کو معلم لازمی طور پر اپنانا چاہیے۔ پڑھنا اور لکھنا میں پہلے پڑھنا اور اس کے بعد لکھنا ہونا چاہیے۔ کیوں کہ بولنے سے اس کا قریبی تعلق ہے۔ بولنے میں پڑھنے میں آواز کے اعضا (ہونٹ، زبان) متحرک ہوتے ہیں۔ اس لیے لکھنے کا طریقہ کچھ اور ہے۔ اس کے لیے مکمل طور پر ہاتھ کی انگلیوں سے کام کیا جائے۔ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ تعلیمی نفسیات کے اصول کے مطابق اکتساب معلوم سے نامعلوم کی طرف آسان سے مشکل کی طرف ہونا چاہیے۔ اس کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ لکھنے سے پہلے پڑھنا ہی سکھانا چاہیے۔

4.9 کمرۂ جماعت میں لسانی فروغ کی سرگرمیاں:

کمرۂ جماعت میں معلم کی تدریس کا مقصد طلبہ کی پوشیدہ تخلیقی صلاحیت کو باہر نکالنا ہے۔ تخلیقی صلاحیت سے مراد ہر ایک فرد میں موجود اس کی انفرادی صفت ہے۔ طلبہ میں پوشیدہ صلاحیتوں کو باہر نکالنا ہی تخلیقی صلاحیت کہلاتی ہے۔ بہترین لکھنے کی مہارت حاصل ہونے کے بعد ان سے مضامین لکھوانا چاہیے۔ کہانیاں اور چھوٹی چھوٹی نظمیں لکھوانا چاہیے۔ اداکاری کے لیے مکالمے لکھوانا چاہیے۔ دیکھے ہوئے واقعات کو قلم بند کروانا چاہیے۔

مضامین:

موضوع کی اہمیت کے مطابق تجزیہ کر کے تفصیلی طور پر لکھنے کو ہی مضمون کہتے ہیں۔ پانچویں جماعت سے خود کی پسندیدہ جگہ، تہوار، رہنماؤں کے بارے میں طلبہ سے اُن کے اپنے الفاظ میں چھوٹے چھوٹے مضامین لکھوا سکتے ہیں۔ اس کے لیے معلم چند نمونے کے مضامین لکھ کر طلبہ کو سنانا چاہیے۔

خطوط:

خطوط کا بہترین زبان میں سامنے والے سے مکالماتی انداز میں لکھنا بھی ایک فن ہے۔ طلبہ کو ابتدائی سطح میں ہی خطوط لکھنے کے لیے اچھی مشقیں فراہم کرنا چاہیے۔

خط کی خصوصیات:

ظاہری خصوصیات:

1۔ مقام اور تاریخ

2۔ القاب

3۔ مواد مضمون

4۔ خاتمہ

5۔ مکتوب الیہ کا پتہ

باطنی خصوصیات:

1۔ موضوع کا آغاز

2۔ موضوع کا پھیلاؤ

3۔ اختتام

ظاہری خصوصیات تمام خطوط میں یکساں ہوتی ہیں۔صرف القاب میں تبدیلی ہوتی ہے۔اعلیٰ جماعتوں میں موضوع میں وسعت ہوتی جاتی ہے۔

4.10 یاد رکھنے کے نکات

(1) سننا۔ بولنا۔ پڑھنا۔لکھنا

طلبہ کی مکمل نشوونما کے لیے ترجیحی مہارتوں کی طرح معاون ہوتے ہیں۔

☆ بہترین سماعت صحیح گفتگو کے لیے' صحیح گفتگو بہترین پڑھنے کے لیے' بہترین پڑھنا بہترین تحریر کے لیے راستہ بناتے ہیں۔

☆ بہتر انداز میں غلطیوں کے بغیر بلاخوف وخطر روانی کے ساتھ گفتگو کرنا بہت بولنا کی خصوصیات ہیں۔ دنیا کو دیکھنے کے لیے آنکھ کی جتنی ضرورت ہے دنیا کی معلومات کے لیے مطالعہ اتنا ہی ضروری ہے۔

☆ زبان کی مہارتوں میں سب سے اہم اور سب سے مشکل لکھنا ہے۔

☆ اپنے خیالات کے اظہار کے طرز کو بہتر تحریر کے ذریعہ خوش خطی سے لکھنا زبان کی مہارت کے لیے عطیہ ہے۔

کمرۂ جماعت میں لطف اندوز کرنے والی نظمیں، گیت، کہانیاں سنانے کے ذریعہ طلبہ کی سننے کی صلاحیت کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔ دوسرے دلچسپ پروگراموں کو سنانے سے بھی طلبہ کی سننے کی صلاحیت کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔طلبہ کو آزادی سے گفتگو کرنے کا ماحول فراہم کرنے کے ذریعہ' نئے الفاظ اور زبان و بیان کا استعمال کرتے ہوئے گفتگو کروانے سے' دلچسپ مکالمے ادا کروانے سے' مناظر کی تشریح کرنے سے' طلبہ کی بولنے کی صلاحیت کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔ سننے کی مشق کو فروغ دینا قوت تخیل اور سوچنے کی صلاحیت کو فروغ دینا اور اخلاقی اقدار کی کہانیوں کے ذریعہ سے حاصل ہونے والے فوائد ہیں۔

اسباق کو چھوٹے چھوٹے ڈراموں میں تبدیل کرکے بچوں کے ذریعہ اداکاری کروانے کے ذریعہ ان میں موجود تخلیقی صلاحیت باہر آتی ہے۔

4.11 اپنی معلومات کی جانچ

(1) زبان کی مہارتیں کون کون سی ہیں؟ بتلایئے۔

(2) سننے سے کیا مراد ہے؟اس کی اہمیت کو اجاگر کریں۔

(3) بولنے سے کیا مراد ہے؟ بولنے کی غلطیوں کو کیسے دور کیا جاسکتا ہے؟

(4) پڑھنے کی اہمیت کو بتلایئے۔ پڑھنے کی صلاحیت کو کیسے فروغ دیا جاسکتا ہے؟

(5) لکھنے سے کیا مراد ہے؟ لکھنے کی صلاحیت کو کیسے فروغ دیا جاسکتا ہے؟

(6) کمرۂ جماعت میں لسانی فروغ سے متعلق آپ کون سی سرگرمیاں انجام دیں گے؟

(7) زبان کی مہارتوں کو فروغ دینے کے کون کون سے طریقے ہیں؟ بتلایئے۔

(8) زبان کی مہارتوں کے فروغ میں کون کون سے مشاغل کیے جاسکتے ہیں۔

(9) لسانی مہارتوں کے فروغ میں تدریسی وتعلیمی وسائل کا کیسے استعمال ہوتا ہے؟

4.12 سفارش کردہ کتب

(1)	طریقۂ تعلیم اردو	ملا فخر الحسن
(2)	تدریس اردو	احمد حسین
(3)	طریقۂ تدریس اردو	سید جلیل الدین
(4)	تدریس زبان اردو	شروانی
(5)	اردو زبان کی تدریس	عین الدین

اکائی۔5۔ اردوزبان کی تدریس ومنصوبہ بندی
(A) ثانوی سطح پر تدریس اردو کے مقاصد

ساخت

5.1 تمہید

5.2 مقاصد

5.3 ثانوی سطح پر تدریس اردو کے مقاصد

5.4 بلوم کے تعلیمی مقاصد کی درجہ بندی

5.5 یادرکھنے کے نکات

5.6 فرہنگ

5.7 اپنی معلومات کی جانچ

5.8 سفارش کردہ کتابیں

5.1 تمہید

کہا جاتا ہے کہ انسان مہد سے لحد تک علم حاصل کرتا ہے۔اور کوئی بھی علم کسی زبان کے بغیر حاصل کرنا مشکل ہی نہیں بہت حد تک ناممکن بھی ہے۔اپنے احساسات، جذبات و خیالات کو دوسروں تک پہنچانے اور دوسروں سے موصول کرنے میں ہم زبان کا ہی استعمال کرتے ہیں۔کسان ،مزدور،کاریگر،فن کار،موسیقار،تاجر،ٹیکنیشین،انجنیئر ،ڈاکٹر وحکیم غرض معاشرے کا ہر انسان اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کرنے ،دوسروں کی مدد کرنے اور اپنی مدد آپ کرنے کے لیے بھی کسی نہ کسی زبان کا ہی استعمال کرتا ہے۔معاشرے کے وہ افراد جنہیں ہم ناکارہ و بے کار کہتے ہیں مثلا چور، بدمعاش، جیب کترے، سائل وفقیر سب کے سب زبان کے ذریعے ہی اپنی روزی روٹی کا انتظام کرتے ہیں۔ایک عام انسان اپنی انفرادی زندگی میں بھی زبان ہی سے فیضیاب ہوتا ہے اوراجتماعی زندگی میں بھی۔پوسٹر،اخبارات،سائن بورڈ اشتہار کی شکل میں زبان ہمارے اردگرد گردش کرتی ہے اور کسی نہ کسی طرح ہم ان اشتہاروں اور

اخبارات ورسائل سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔زبان کے ان سب وظائف کی اصل تعلیم ہے اور تعلیم کے دونوں اہم سرے (مراکز) یعنی طلبا واساتذہ زبان کے ذریعے ہی اپنے تجربات کی ترسیل کرتے ہیں۔یہی نہیں مفکر، مدبر، شعرا، ادبا اور سیاست داں بھی بزور زبان ملک وقوم کی خدمت کرتے ہیں۔ان سب کی کارکردگی کے لیے زبان پر مہارت حاصل کرنا بے حد ضروری ہے۔پہلے ہمیں اپنی مادری زبان میں اور پھر اس کی مدد سے دیگر زبانوں کے ذریعے ان علوم وفنون کو فروغ دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔

عصر حاضر میں اردو زبان کی حیثیت ایک بین الاقوامی زبان کی ہوگئی ہے۔اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ مختلف سطحوں پر اس کی تدریس کی جائے۔ہندوستان جیسے کثیر لسانی ملک میں اردو کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے کیونکہ اس کے ذریعے قومی یکجہتی کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔مزید یہ کہ اردو ایک زبان ہی نہیں بلکہ ایک تہذیب ہے، ایک کلچر اور ثقافت ہے۔اس لیے آنے والی نسلوں اور سماج کے دوسرے افراد تک اس کی منتقلی نہایت ضروری ہے۔جن افراد کی مادری زبان اردو نہیں یا جو اول زبان کی حیثیت سے اردو کی تعلیم حاصل نہیں کر رہے ہیں۔ان کو سہ لسانی فارمولے کے تحت ثانوی زبان کی حیثیت سے اردو کی تعلیم دی جارہی ہے۔چنانچہ خواہ پہلی زبان کی حیثیت سے اردو کی تدریس کا معاملہ ہو یا ثانوی زبان کی حیثیت سے' اس کی تدریس کے لیے اساتذہ کی تربیت بہت ضروری ہے۔تاکہ وہ اردو کی تدریس اور اس کے منہاج ومقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے طلبا کے بہتر مستقبل کی ضمانت فراہم کرسکیں۔

اردو زبان وادب کی آفاقی حیثیت کو دیکھتے ہوئے ہندوستان اور بیرون ملک میں اسے بحیثیت تیسری اور بین الاقوامی زبان کے' تدریس کا انتظام ہے۔مختلف ممالک، افراد اور ادارے اپنے ثقافتی لین دین اور تمدنی ہم آہنگی کی وجہ سے دنیا کی معروف زبانوں کا مطالعہ ضروری سمجھتے ہیں۔اس ضرورت کے تحت متعدد ممالک نے اپنے تعلیمی اداروں کے نصاب میں اردو کو شامل کیا ہے۔ان ممالک کی تعداد 100 سے زیادہ ہے جن میں اردو ابتدائی سطح سے تحقیق کی سطح تک بحیثیت تیسری یا بین الاقوامی زبان پڑھائی جاتی ہے۔لہٰذا تیسری زبان کی حیثیت سے اردو کے تدریسی منہاج ومقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے لیے درسیات کی تیاری اور اساتذہ کی تربیت نہایت ضروری ہے۔اس اکائی میں اردو کی مختلف حیثیتوں اور سطحوں پر اس کی تدریسی اہمیت وافادیت کے ساتھ ساتھ اردو کے تدریسی مقاصد پر پوری طرح روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

5.2 مقاصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد:

☆ طلبا ثانوی سطح پر تدریس اردو کے اغراض ومقاصد کی صراحت کرسکیں گے۔

☆ اردو تدریس کے تعلیمی مقاصد کے علاوہ اس کے دیگر افادی پہلوؤں کی وضاحت کرسکیں گے۔

☆ ثانوی سطح پر اردو کو بحیثیت مادری زبان یا زبان اول کے اس کی اہمیت وافادیت بیان کرسکیں گے۔

☆ اردو تدریس کے اغراض ومقاصد بحیثیت ثانوی زبان یا زبان دوم کے بیان کرسکیں گے۔

☆ ہندوستان میں اردو کے موقف کی جانکاری حاصل کرسکیں گے۔

☆ اردو کی بین الاقوامی حیثیت سے واقف ہوسکیں گے۔

☆ اسکولی درسیات میں اردو کی اہمیت اور مقام کی وضاحت کرسکیں گے۔

☆ اور ثانوی سطح پر اردو کے نصاب کا عمومی جائزہ لے سکیں گے۔

5.3 ثانوی سطح پر تدریس اردو کے مقاصد

دنیا میں کسی بھی کام کے کرنے کا کچھ نہ کچھ مقصد ہوتا ہے۔ بغیر مقصد کے اور معیار کے طے کیے ہوئے کوئی بھی کام بہتر طور سے انجام نہیں دیا جاسکتا ہے۔ ابتدائی سطح پر تدریس اُردو کے بھی کچھ عام اور کچھ خاص مقاصد ہیں ان مقاصد کو سمجھے بغیر تدریس کا کام نہ تو آسان ہوگا اور نہ ہی معیار کے مطابق۔ دنیا کی ساری زبانیں تدریس کے لحاظ سے کچھ نہ کچھ اپنا پس منظر رکھتی ہیں۔ اردو کی تدریس کا بھی واضح پس منظر موجود ہے لیکن کیا ہندوستان جیسے وسیع وعریض ملک میں جہاں اردو اس کے تہذیبی، ثقافتی اور سماجی پس منظر میں رچی بسی ہے اور جہاں اردو کی تدریس کئی نہج پر کی جاتی ہے، یہ طے کر لینا ضروری نہیں کہ آیا ہمارے سامنے ٹارگیٹ گروپ کیا ہے؟ اس ٹارگیٹ گروپ کے تدریسی مقاصد کیا ہیں؟ ابتدائی سطح پر بھی اُردو زبان کی تدریس کئی مقاصد کے تحت کی جاتی ہے مثلاً بحیثیت مادری زبان، ثانوی زبان، تیسری زبان نیز ان لوگوں کے لیے بھی جو کسی زبان کا مطالعہ کر چکے ہوں اور اس کے ذریعے اُردو زبان سیکھنا چاہتے ہوں۔ مذکورہ ہر منزل پر اُردو تدریس کے مقاصد الگ الگ ہوں گے۔ لیکن ان کا ایک دوسرے سے باہمی ربط بھی ہوتا ہے۔ یہ ربط افقی اور عمودی دونوں طرح سے ہوسکتا ہے یعنی زبان کی تدریس کا تعلق کسی نہ کسی طرح اسکول کے دوسرے مضامین سے بھی ہوتا ہے اور بغیر اس ربط کے اردو تدریس کے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے جو نصاب تیار کیا جائے گا وہ بے ضابطگی کا شکار ہو جائے گا۔

عام مقاصد

ابتدائی سطح پر جس کے درجات سرکاری اعتبار سے اول تا آٹھویں درجہ پر مشتمل ہیں، اُردو تدریس کے مقاصد بڑی حد تک مبہم ہیں کیونکہ قومی سطح پر اس کے طے شدہ مقاصد نہیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں اردو کسی ریاست کی دوسری سرکاری زبان ہے تو کسی کی پہلی۔ کسی علاقے میں پوری طرح بولی، پڑھی لکھی اور سمجھی جاتی ہے تو کئی علاقوں میں جزوی طور پر۔ تاہم ابتدائی منزل پر تدریس اردو کے عام مقاصد میں مندرجہ ذیل مقاصد شامل ہیں۔

1) آوازوں کو سن کر انہیں دہرانا اور اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرنا۔
2) سنی ہوئی بات کو ٹھیک اسی طرح دہرانے کی خوبی پیدا کرنا۔
3) زبان کی علامتوں کے ذریعے لکھ کر اپنی بات کا اظہار کرنا۔
4) لکھی ہوئی عبارت کو صحیح طور پر پڑھ کر اس کا مطلب واضح کرنا۔
5) اُردو زبان میں اپنے خیالات وجذبات کا اظہار کرنا۔

ان عام مقاصد کے علاوہ کچھ ایسے مقاصد ہیں جن کے حاصل کئے بغیر تدریس اردو کا مقصد قطعی حاصل نہیں ہوسکتا۔ ان کو خاص مقصد کہتے ہیں۔

خاص مقاصد

درجہ اول تا آٹھویں کے طلبا کے لیے درج ذیل چار مقاصد کا حاصل کرنا نہایت ضروری ہے تا کہ ثانوی درجات میں داخل ہونے سے قبل انہیں زبان کی عمومی جانکاری حاصل ہو جائے۔

1. اردو بولنا

2. اردو پڑھنا

3. اردو لکھنا

4. اردو سمجھنا۔

ان مقاصد میں پوشیدہ کئی جزوی مقاصد بھی ہوتے ہیں۔ان مقاصد کے تحت وقت کا تعیّن ہوتا ہے۔ بہت حد تک طریقہ کار بھی متعین ہوتا ہے۔ ابتدائی سطح اس اعتبار سے بہت ہی اہمیت کی حامل ہے کہ اس سطح پر ہی طلبا میں لسانی عادتیں بھی پختہ کرائی جاتی ہیں۔

چونکہ ذہنی وجسمانی نشوونما کی بہت ساری منزلیں بچے ان ہی ابتدائی جماعتوں میں طے کرتے ہیں اس لئے ان ہی سطحوں پر ان کے خیالات، احساسات اور جذبات کی نشوونما بھی ہوتی ہے نیز شخصیت سازی کی بہت اہم منزل بھی یہی ہے۔اس لئے اس سطح پر زبان کی تدریس کے مقاصد بہت اہمیت کے حامل ہیں۔اساتذہ کے لئے مندرجہ بالا چاروں مقاصد کی آگہی کے لیے بہت سخت محنت اور صبر وتحمل کی ضرورت ہوتی ہے۔

اُردو بولنا سکھانا

چونکہ بچہ اپنے ماحول سے اسکول میں بولتے ہوئے داخل ہوتا ہے اور اس کے پاس چھوٹا سا ذخیرۂ الفاظ بھی ہوتا ہے اس لیے اساتذہ کو اردو بولنا سکھانے میں کسی خاص دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ پھر بھی طلبا کو گفتگو کرنے پر قدرت حاصل کرنے میں اساتذہ کو رہنمائی کرنی چاہیے۔ بولتے وقت صاف صاف آواز اور صحت الفاظ کا خیال رکھ کر بولنے کی مہارت پیدا کرنی چاہیے۔صحیح تلفظ کے ساتھ گفتگو کی مشق کرنی چاہیے۔ بولتے وقت جملے اور فقرے کے اُتار چڑھاؤ کا خیال رکھنا چاہئے۔ بناوٹی گفتگو سے پرہیز کرتے ہوئے فطری انداز کی گفتگو کی عادت ڈالنی چاہئے۔ بولنا سکھانے کے مختلف طریقے اور اس کے لیے سمعی وبصری آلات کا استعمال بھی ضروری ہے۔

اُردو پڑھنا سکھانا

ابتدائی منزل پر زبان کی تدریس کا جو سب سے اہم مرحلہ ہوتا ہے وہ پڑھنا سکھانا ہوتا ہے۔استاد سب سے پہلے پڑھنا سکھانے کی طرف توجہ دیتا ہے۔ پڑھنا سکھانے میں شروع سے ہی صحیح تلفظ کی طرف دھیان دینا چاہیے اور طلبا میں اس کی مہارت پیدا کرنی چاہیے کہ وہ الفاظ کو، فقروں کو اور جملوں کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھیں۔شروع شروع میں اعراب کے ساتھ پڑھنے کی مہارت پیدا کرنی چاہئے تاکہ آگے چل کر بغیر اعراب کے متن بھی ہوں تو صحیح پڑھنے میں دشواری پیدا نہ ہو۔ابتدائی سطح کی شروع کے درجات میں ہجّے کا خاص خیال رکھنا چاہیے اور بچے کو مناسب لب ولہجے کے ساتھ الفاظ کی ہجّے بتانی چاہئے تاکہ آگے چل کر بلند خوانی اور خاموش مطالعے میں موزوں لب ولہجے کے ساتھ عبارت خوانی میں مہارت پیدا ہوسکے۔

اُردو لکھنا سکھانا

ابتدائی سطح پر جو سب سے مشکل مرحلہ آتا ہے وہ بچوں کو اُردو لکھنا سکھانا ہوتا ہے۔ بولنے اور پڑھنے کی مشق ہونے کے بعد لکھنا سکھایا جاتا ہے۔ ابتدائی سطح کے مدرس کو لکھنا سکھانے میں سب سے زیادہ احتیاط سے کام لینا چاہیے کیونکہ حرفوں کی مختلف اشکال، ان کے نقوش، نقطے، شوشے، مراکز اور طرز تحریر کی عادت ابتدائی سطح پر جیسی پڑ جاتی ہے، وہ پوری زندگی قائم رہتی ہے کیونکہ

خشتِ اول گر نہد معمار کج

تا ثریا می رود دیوار کج

اس نہج پر حرفوں کی صحیح شناخت اور درست املا کے ساتھ لکھنے کی مہارت پیدا کرنی چاہیے۔طلبا کو لکھنا سکھاتے وقت خاص طور سے شوشے' دائرے او رنقطے کی صحیح جگہ کا دھیان رکھنا چاہیے۔ایک لفظ سے دوسرے کے درمیان واضح فرق (دوری) ہونی چاہئے۔جملوں میں لفظوں کی ترتیب اور سطور کے سیدھے ہونے کا خیال رکھنا چاہیے۔مرکب لفظ لکھتے وقت اس کی ملاوٹ کا خیال رکھنا چاہئے۔تحریر میں صحت اور صفائی کا خاص خیال رکھنا چاہیے اور ان سبھی باتوں کے بعد جملوں میں اوقاف کا خیال بھی رکھنا چاہیے۔

اُردو سمجھنا سکھانا

ابتدائی سطح پر بولنا، پڑھنا اور لکھنا سکھانے کے بعد جو مرحلہ آتا ہے وہ سمجھنا سکھانا یعنی تفہیم ہے۔ یعنی طلبا میں کس طرح یہ مہارت پیدا کی جائے کہ وہ عبارت کو پڑھ کر سمجھ سکیں اور اس کا اظہار اپنی زبان میں کرسکیں۔اس سطح پر مدارس میں مختلف درجات ہوتے ہیں۔شروع کے درجات میں تو تفہیم کا پہلو بہت زیادہ نہیں ہوتا بلکہ ان سطحوں پر حروف /الفاظ کی شناخت نیز تذکیر و تانیث، اسم اور اس کی قسمیں، متضاد و مترادف الفاظ وغیرہ سے واقف کرانا مقصود ہوتا ہے۔ لیکن ابتدائی تعلیم کے آخری درجات (چھٹی' ساتویں' آٹھویں) میں تفہیم کا پہلو بھی نمایاں ہوجاتا ہے۔

عام طور سے پوری ابتدائی سطح پر لفظ اور جملوں کی ساخت اور شناخت' بناوٹ اور ان کے استعمال کی سمجھ پیدا کرانی چاہیے۔الفاظ کی صحیح ترتیب کے ساتھ پہچان کرانا چاہیے۔نظم و نثر کے سوالات اور ان کے جوابات کی تفہیم اور پہچان میں مہارت ہونی چاہیے۔اظہار خیال کے لیے مناسب الفاظ کا انتخاب بھی اسی سطح پر کرایا جانا چاہیے۔نئے الفاظ' فقرے' محاورے' اور ضرب الامثال و کہاوتوں کا جزوی شعور بھی اسی نہج پر ہوجانا چاہیے کیونکہ ابتدائی سطح کے آخری درجات کا شمار ثانوی سطح کے اولین درجات میں بھی ہوتا ہے اور ''یہ زبان کے شعور کی دوسری منزل'' سمجھی جاتی ہے۔

ابتدائی سطح پر اُردو تدریس کے ان چار بنیادی عناصر کا مختصر جائزہ لینے کے بعد واضح طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان مہارتوں کے فروغ کے بعد طلبا میں اردو بولنے، پڑھنے، لکھنے اور سمجھنے کی اتنی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ اپنے ہم جماعتوں میں تحریر و تقریر دونوں ذریعوں سے اظہار خیال کرسکیں۔گرد و پیش کے ماحول سے جو کچھ سیکھا ہے اس کا لسانی اظہار حسب خواہش کرسکیں۔اس سطح کے ابتدائی درجات میں جو مہارتیں رمشقیں ادھوری اور نامکمل یا مبہم رہ گئی ہوں آخری درجات تک ان میں پختگی حاصل کرلیں گے۔

تدریس اُردو کے دیگر افادی پہلو

تدریس زبان کے مقاصد کے سلسلے میں ماہرین تعلیم میں بہت ہی تنوع پایا جاتا ہے۔بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ لسانی مقصد دراصل افادی مقاصد ہیں۔بعض نے اُسے معاشی اور سماجی مقاصد بھی تسلیم کیا ہے۔ان مقاصد میں بولنے، پڑھنے، لکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت جس سے نہ صرف سماجی رابطے میں مدد ملتی ہے بلکہ انسان ان وسیلوں سے اپنے کاروبار اور پیشے کو بہتر سے بہتر بنا سکتا ہے۔ان مہارتوں کے حصول سے دیگر مضامین کی آموزش میں خاطر خواہ مدد ملتی ہے۔ ان کی وساطت سے دیگر زبانوں کے سیکھنے میں استحکام و وسعت پیدا ہوتی ہے۔یہ مہارتیں انسان کی زندگی میں آگے چل کر شخصیت سازی کا وسیلہ بنتی ہیں اور ان کے ذریعے متوازن شخصیت کی نشو و نما ہوتی ہے ان مہارتوں کے فروغ سے بچوں میں صحیح اور واضح اظہار کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے جو بعد میں ان کی عملی زندگی میں کارآمد ثابت ہوتی ہے۔اظہار خیال کے ذریعے طلبا کو نفسیاتی اور ذہنی سکون ملتا ہے۔اظہار خیال کی پختگی کے لئے وہ نئے نئے الفاظ تلاش کرتا ہے۔اس طرح اس کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہوتا ہے اور قوت تخیل پروان چڑھتی ہے نیز دوسروں کی تحریر و تقریر کو سمجھنے اور اس سے استفادہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔انہی مہارتوں کے فروغ سے طلبا میں غور و فکر مشاہدہ اور مطالعے کا شوق پیدا ہوجاتا ہے۔اگر ہم زبان کی تعلیم کے دائرے کو اور وسیع تناظر میں دیکھیں تو اس

کے ذریعے اقدار کا فروغ اور تہذیب وثقافت کی تدوین بھی ہوتی ہے۔شعروادب کے مطالعے کا ذوق وشوق بھی پیدا ہوتا ہے اور اپنی وراثت کے محفوظ کرنے کا جذبہ بھی فروغ پاتا ہے۔انہی مہارتوں کے فروغ سے طلبا میں مخفی تخلیقی، تخیّلی ،استحسانی اور تجرباتی صلاحیتوں کا فروغ ہوتا ہے۔ ہندوستان کے کینوس میں اگر ہم اردوزبان کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قومی اقدار جمہوریت، سیکولرزم، سوشلزم اور قومی ہم آہنگی کا ناقابل فراموش ذریعہ ہے۔

5.4 بلوم کے تعلیمی مقاصد کی درجہ بندی (Classification of Blooms Taxonomy)

انسان اپنی زندگی میں ہزاروں طرح کے کام انجام دیتا ہے۔کبھی با مقصد تو کبھی بے مقصد۔ بے مقصد کاموں کے کرنے کا طریقہ اور اس سے ہونے والے اثرات کا نقش اس کے ذہن پر بہت دنوں تک قائم نہیں رہتا جبکہ با مقصد امور اور عمل کا طرز عمل، طریقہ کار اور اس کے اثرات دیر پا قائم رہتے ہیں۔بعض کاموں کا اثر تو انسان کی پوری زندگی پر پڑتا ہے۔تعلیم وتدریس کے زمرے میں ایسے بہت سے عمل کیے جاتے ہیں جس کا اثر طلبا (افراد) کے آئندہ کی عملی زندگی پر بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔طلبا کے ذریعہ کیے گئے کاموں کا کبھی منفی اور کبھی مثبت اثر پڑتا ہے۔اسی لئے تعلیمی کاموں میں مقاصد کا تعین کرنا نہایت ضروری ہے۔بغیر تعین مقصد کے کسی تعلیمی کام کا نتیجہ بہتر نہیں ہوگا۔کہا جاتا ہے کہ تعلیم انسانی زندگی میں پائیدار اور مثبت تبدیلی لاتی ہے۔اگر تعلیمی مقصد کا تعین نہ کیا جائے تو پائیدار اور مثبت تبدیلی مشکل ہی نہیں بہت حد تک ناممکن بھی ہے۔تعلیم وتربیت کا کام طلبا کے کردار میں مثبت تبدیلی پیدا کر کے اعلیٰ انسانی اقدار سے روشناس کرانا ہے۔

تعلیمی مقاصد کا تعین زمانہ قدیم سے کیا جاتا رہا ہے لیکن ان مقاصد کے مختلف عناصر اور ان کے ذریعہ ہونے والی تبدیلیوں کی درجہ بندی (Classification) اور تجزیہ بہت قدیم نہیں۔ ماہرین تعلیم نے تعلیمی مقاصد کی افادیت کو مزید وسعت دینے کے لیے اس کے مقاصد کا مختلف طریقہ سے جائزہ لے کر تعلیمی مقاصد کا تعین کیا ہے۔دور جدید کے مختلف تعلیمی تقاضوں کی تکمیل کے لئے انسانی وسائل کے فروغ کی بات کی گئی ہے۔تعلیم وتدریس بھی انسانی وسائل کے زمرے میں آتی ہے۔چنانچہ اکتسابی عمل کو منظّم اور مربوط کرنے کے لیے ان کی تحقیق اور تجزیہ ضروری ہے تبھی مقاصد کا تعین بہتر طریقہ سے کیا جاسکتا ہے۔تعلیمی مقاصد کو قابل فہم اور قابل ترسیل بنانا بھی نہایت ضروری ہے۔

بلوم کی درجہ بندی

تعلیمی مقاصد کی درجہ بندی کے لیے بہت سے ماہرین تعلیم و ماہر تعلیمی نفسیات نے تجاویز پیش کی ہیں لیکن تعلیمی عمل میں B. S. Bloom کی تعلیمی درجہ بندی اور تصریحات زیادہ قابل قبول اور باعمل ہیں۔اس نے اپنی کتاب A Taxonomy of Educational Objectives میں تعلیمی مقاصد کی درجہ بندی پر مدلّل انداز میں بات کی ہے۔ بلوم نے تمام تعلیمی مقاصد کو تین بڑے زمروں میں تقسیم کیا ہے جس کا نام "Domain" رکھا ہے۔

بنجامین بلوم اور اس کے رفقا نے تعلیمی مقاصد کی وضاحت اور حصولیابی کے لیے طلبا کے کردار میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کو سامنے رکھ کر درج ذیل تین بڑے Domains (میدانوں) کی نشاندہی کی ہے۔

1. وقوفی میدان Cognitive domain
2. تاثراتی میدان Affective domain
3. نفسی حرکی میدان Psychomotor domain

بلوم نے سبھی تعلیمی مقاصد کو Behavioural changes یعنی نظریاتی کرداری' رویّاتی تبدیلی کو پیش نظر رکھتے ہوئے مقاصد کا تجزیہ کیا ہے۔ اس کے مطابق تعلیمی مقاصد اور رویّاتی تبدیلیوں کو اس طرح بیان کیا جائے کہ یہ تعلیمی طرز عمل آسان سے مشکل کی طرف گامزن ہو۔ اس کی تقسیم تعلیمی اور اکتسابی تجربوں' تجزیوں' طریقہ کار اور تدریسی امدادی اشیا کو منتخب کرنے' ان کو منظم کرنے اور ان سے بہتر نتائج اخذ کرنے' نیز اس کی جانچ کے لئے مناسب تکنیکیں استعمال کرنے میں معاون ثابت ہو۔ اس درجہ بندی کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے پورا تعلیمی عمل منطقی طور پر مختص ہو جاتا ہے۔ اور اس سے اہداف (Goals) کو حاصل کرنے کے لیے صحیح سمت کا تعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اس کی روشنی میں تعلیمی ادارے' اساتذہ' تعلیمی مشیر و حکام اپنے نصابی' ہم نصابی سرگرمیوں اور پروگراموں کا جائزہ لے سکتے ہیں اور مقاصد کا تعین کر سکتے ہیں۔ مقاصد کی درجہ بندی کرتے وقت بلوم اور اس کے رفقا نے مذکورہ تین بڑے میدانوں Domains کو متعدد ذیلی سطحوں اور زمروں میں درجہ بند کیا ہے۔

1. وقوفی میدان (Cognitive Domain)

مقاصد کی تقسیم یا درجہ بندی جن کا ذکر مذکورہ بالا خاکہ کے ذریعہ ذہن میں ابھر کر سامنے آتا ہے Congnitive Domain یا وقوفی میدان اس کا پہلا اہم جز ہے۔ اس میدان کو بہتر طریقے سے استعمال کے لیے بلوم اور اس کے رفقا نے 1956ء میں تعلیمی سرگرمیوں کے مقاصد کی درجہ بندی کے حصول کی خاطر وضع کیا۔ وقوفی میدان کا تعلیمی مقاصد کی درجہ بندی میں سب سے زیادہ استعمال یا یوں کہا جائے کہ موثر استعمال ہوتا ہے۔ بلوم نے اس میدان کو ذہنی اعمال اور امور و پیچیدگی کے حوالے سے چھ سطحوں میں تقسیم کیا ہے۔ (معلومات' تفہیم' اطلاق' تجزیہ' ترکیب' تعیّن قدر) ان چھ سطحوں کو بھی ذیلی تین سطحوں نچلی' درمیانی اور اعلیٰ سطح پر سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ سب سے نچلی یا ادنیٰ سطح میں حقائق' خصوصیات' اصول' اصطلاحات' رجحانات' مختلف درجات' معیار' اور کائنات کا علم ہے۔ زبان میں الفاظ ان کی ترکیب' ترتیب' تجدید' (الفاظ کی تحلیل و ترکیب) اور معانی و ترجمہ آتا ہے۔ درمیانی سطح پر حاصل شدہ علوم کی مختلف صورت حال پر عمل درآمد کیا جاتا ہے۔ اور سائنسی و سماجی علوم میں ان کے عناصر' ترکیب اور تجربہ و تجزیہ شامل ہوتا ہے۔ لیکن زبان و لسان کے علوم میں قواعد اور صرف و نحو سے تعلق رکھنے والے عناصر سے بحث کی جاتی ہے۔ وقوفی میدان کے اعلیٰ سطح پر تجربہ' ترکیب' مخصوص علوم و فنون کا ادراک اور ایجاد' اختراع اور تخلیق کا عمل شامل ہوتا ہے۔ اس میں مختلف منصوبے بنانا' اس کا جائزہ لینا' اندرونی و بیرونی شہادتوں اور مشاہدات کو یکجا کر کے تجزیہ و تشریح کرنا شامل ہوتا ہے۔

وقوفی میدان کے مذکورہ چھ ذیلی پہلوؤں کو درج ذیل طریقہ سے سمجھنا آسان ہوگا۔

I. علم/معلومات (Knowledge)

علم وقوفی میدان کا سب سے پہلا مرحلہ ہے۔ اس کے تحت حقائق' واقعات اور اصول وغیرہ یاد رکھنے اور انہیں پہچان کرنے کا عمل آتا ہے۔ علم کے مقاصد میں مخصوص اشیا اور عمومی اشیا کی بازگیری (بازرسائی) کے علاوہ طریقہ کار عملی نمونہ اور ساخت کی بازگیری شامل ہے۔ اس کے تحت اساتذہ طلبا کے لئے ان صورت حال کی منصوبہ بندی کرتے ہیں جن میں طلبا روایتی اشیا' درجہ بندی' معیارات اصول اور نظریات کی بازگیری (بازرسائی) اور پہچان کرتے ہیں ۔اُردو میں اس کی مثال حروف/الفاظ کی شناخت (سن کر' بول کر' لکھ کر' صحیح تلفظ ادا کرنا' صحیح ہجہ ادا کرنا' تلفظ اور املا کے ساتھ تذکیر و تانیث کو پہچاننا' صحیح و غلط جملہ کا ادراک کرنا) سے دی جاسکتی ہے۔

II. تفہیم (Understanding)

طلبا جن علوم کو سیکھتے ہیں ان میں سمجھ بوجھ پیدا کرنا اور اپنی زبان میں اس کی توضیح وتشریح کر لینا تفہیم کہلاتا ہے۔اس میں الفاظ مختلف معانی واستعمال' اشعار کی تشریح' تلمیحات کا ادراک' موضوع و مضامین کی تلخیص و توضیح وغیرہ شامل ہیں۔لسان و زبان کے قواعد کو سمجھنے کے لیے الفاظ و معانی کا موازنہ' اسما وصفات میں فرق اور زمان و مکان کا فہم خاص ہے۔

III. اطلاق (Application)

اطلاق کے تحت طالب علم حاصل شدہ علم وفہم' قواعد' کلیۂ' مسائل اور مہارتوں کے ذریعہ انہیں بنیاد بنا کر یا ان کا استعمال کر کے نئے تجربات و مشاہدات' تبدیلیوں اور کلّیوں کے ذریعے نئی صورت حال سے نمٹنے کی کوشش کرتا ہے۔اس صورت حال اور اس سے ہونے والی تبدیلیوں کا و نئی مہارتوں کے اطلاق کا مشاہدہ طلبا کے کرداری تبدیلیوں سے کیا جا سکتا ہے۔

مثلاً: ہم معانی' ہم شکل اور مشابہہ آواز کے الفاظ' قواعد کی تعریفات' محاورے' ضرب الامثال اور تلمیحات کا استعمال و اطلاق ابتدائی درجات کے طلبا کی تفہیم کو سمجھنے کے لئے عمومی طور پر معاون ہے۔جبکہ ثانوی اور اعلیٰ ثانوی جماعتوں میں اطلاق کے تئیں صرف ونحو کے دیگر قاعدے اور کلّیے مثلاً مرکب اور مفرد الفاظ کا تجزیہ' فقرے رموز واوقاف کا تعین صنعتیں اور مصرے کی تقطیع کرنا وغیرہ۔

ہم معانی۔ جیسے: (فہم' ادراک)' (تشریح' توضیح)

ہم شکل۔ جیسے: (قفص' قفس)' (مُلک' مِلک)

مشابہ آواز الفاظ۔ جیسے (قابل' کابل)' (دانا' دانہ)

ضرب المثل۔ جیسے:اونٹ کے منھ میں زیرہ' گھر کی مرغی دال برابر

محاورہ۔ جیسے: دال میں کالا ہونا،لکیر کا فقیر ہونا

تلمیح۔ جیسے: ابن مریم' من وسلویٰ' یدِ بیضا

مرکب۔ جیسے: پازیب' رحمدل' پایہ تخت' بوئے گُل

مفرد۔ جیسے: پا+زیب' رحم+دل' پائے+تخت' بو+ گل)

فقرہ۔جیسے: خدا کے واسطے ان کو گانٹھ باندھ لو

رموز واوقاف۔جیسے: واہ رے واہ! کیا کمال کیا آپ نے؟

صنعت۔ جیسے: نازکی اسکے لب کی کیا کہیئے پنکھڑی ایک گلاب کی سی ہے

مصرعہ کی تقطیع۔ جیسے: تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

مذکورہ باتوں کے علاوہ طالب علم کا نظم ونثر کے فن پاروں کو پڑھنے کے بعد اس کے مرکزی خیال کا بیان اور اس فن پارہ کے تئیں مثبت ومنفی رائے بھی اطلاق کے زمرے میں آتا ہے۔

IV. تجزیہ (Analysis)

زبان میں (Analysis) تجزیہ کے تحت کسی نثری وشعری فن پارے کی خوبیوں اور خامیوں نیز اس سے ذہنوں پر قائم ہونے والے تاثرات اور اس کی علمی ومعاشرتی پہلوؤں کا تنقیدی جائزہ آتا ہے۔ تجزیہ کے مثبت اور منفی دونوں پہلو ہو سکتے ہیں۔ تجزیہ میں بغور مطالعہ کے بعد واقعات اور تصورات کو الگ الگ کیا جاسکتا ہے یا ان کے جزئیات کے آپسی تعلق کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

V. تالیف/ترکیب (Synthesis)

ترکیب (Synthesis) کے تحت طلبا کسی دی ہوئی صورت حال یا مسائل سے انفرادی طور پر مخصوص طریقے سے نمٹنے کی کوشش کرتے ہیں' کسی کام کے لیے مفروضہ تیار کر کے کوئی نئی راہ عمل اختیار کرتے ہیں یا پھر کسی کام کے کرنے کے عام طریقوں سے ہٹ کر نئے انداز اور تحقیقی طرز عمل کے ذریعہ مسئلہ کا حل نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

VI. تعین قدر (Evaluation)

تعین قدر میں مذکورہ پانچوں زمروں کے ذریعہ انجام دیے گئے امور وعوامل کا جائزہ لینا ہے۔ تاہم ان امور وعوامل کی جھلک طلبا کے رویّے میں مثبت تبدیلی کے ذریعہ نظر آنی چاہیے جس کے معیار ومقدار کی جانچ کی جاسکے اور مقاصد کے حصول کا اندازہ لگایا جاسکے۔

2. تاثراتی میدان (Affective Domain)

مقاصد تعلیم کا تاثراتی میدان' مقاصد کی درجہ بندی میں ایک اہم رول ادا کرتا ہے۔ یہ دلچسپیوں رویّوں' امداد' جانبداری' عقیدہ اور اس سے متعلق پائے جانے والے جذبات کا میدان ہے۔ مقاصد کی درجہ بندی کے اس میدان کو بلوم اور اس کے دو رفقا Kraths Wohl اور Masia نے 1964ء میں پہلی بار وضع کیا۔ مقاصد کی درجہ بندی میں اس کی پیمائش یا اندازہ قدر بہت مشکل سے کیا جاتا ہے بلکہ بعض اوقات ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس لئے عمومی طور پر اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس میدان کا قریبی تعلق اور اہمیت وقوفی میدان سے ہے کیونکہ وقوفی میدان میں جب مقاصد معلومات سے اوپر کے درجات یا فیصلہ یا جائزہ تک پہنچتے ہیں تو رویہ میں تبدیلی آتی ہے اور افراد کو علمی توانائی کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے تبھی وہ اطلاق' تجزیہ اور جائزہ تک پہنچ پاتا ہے۔ اسی لیے طلبا کے مضامین سے متعلق رویہ میں تبدیلی کے بغیر اعلیٰ درجہ کے خیالات کا تصور ممکن نہیں۔ اس میدان میں بعض طلبا میں درکار مثبت رویے ہوتے ہیں تاہم سبھی طلبا سے مثبت رویہ کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا مشاہدہ مشکل ہوتا ہے اور اس میدان کے تحت مقاصد کی ٹھیک ٹھیک وضاحت ابھی تک نہیں ہو سکی ہے۔ اس میدان میں اساتذہ کو اپنی توجہ اور توانائی' درسی مواد کو نہایت دلچسپ بنا کر طلبا کے سامنے پیش کرنے کے لیے مرکوز کرنی چاہئے تاکہ طلبا کی توجہ مبذول کی جاسکے۔ غیر دلچسپ مواد و مضمون پڑھنے پر طلبا کو مجبور کرنا وقت کی بربادی ہے اس سے مقاصد کی تکمیل ناممکن ہے اور جب تک مقصد حاصل نہ تو اس کا جائزہ یا اندازۂ قدر کس طرح لگایا جاسکتا ہے؟ اس لئے چاہئے کہ اساتذہ طلبا کی موجودہ (حاصل شدہ) معلومات سے بات شروع کریں اور اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے نامعلوم کی طرف بڑھیں۔ خود بھی گرم جوشی کا مظاہرہ کریں' اسباق کو دلچسپ بنائیں اور مضمون کی طرف بچوں کی دلچسپی کو برقرار رکھیں۔

تاثراتی میدان آسان سے مشکل کی طرف گامزن ہوتا ہے لیکن کردار کی خوبی اور اخلاقی حس جو طلبا میں ہو اور اس کے کردار پر اثر انداز ہو پر زور دیا جاتا ہے۔ مثلاً میرا ضمیر مجھے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔ اپنے کردار کے متعلق انسان کا اپنا احساس' میرا ضمیر صاف ہے' اس کے دل میں چور ہے۔ اس میدان میں مقاصد جیسے دلچسپی' رویّہ' اقداری خوبی اور مجموعی جذبات شامل ہیں۔ وقوفی میدان کے مقاصد اور تاثراتی میدان کے مقاصد کے درمیان رشتہ پایا جاتا ہے۔ ایک بار جب وقوفی میدان کے مقاصد طے ہو جاتے ہیں تو تاثراتی میدان کے مقاصد بھی طے کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس طرح جب طلبا کو مناسب اکتسابی تجربات کی فراہمی کی جاتی ہے تو تاثراتی کردار سازی ممکن ہو جاتی ہے۔ تاثراتی میدان کے مقاصد کی ساخت درجہ بدرجہ ہے۔ اول ایک طالب علم متعلقہ معلومات سے آگاہ ہوتا ہے یا حاصل کرتا ہے دوم مثبت جذبہ کے ساتھ ردعمل ظاہر کرتا ہے۔ سوم اس کی قدر کرتا ہے۔ چہارم اس کا تصور قائم کرتا ہے۔ پنجم اقدار کی مربوط تنظیم کاری کرتا ہے اور بالآخر اپنی زندگی کی کردار سازی کرتا ہے۔

تاثراتی میدان کے مختلف مرحلوں کی درجہ بندی مندرجہ ذیل ہے:

i. حصول عمل (Receiving)

حِسّیاتی میدان میں حصولی عمل تعلیمی تحصیل کی ادنیٰ ترین سطح ہے۔ اس میں طالب علم کو ابتدائی تجربہ فراہم کیا جاتا ہے۔ اس کا تعلق احساس' عمل اور شے کی رو سے طلبا کی توجہ ہے۔ اس مرحلے میں طلبا متعلقہ معلومات حاصل کرتے اور آگاہی رکھتے ہیں۔ دوسروں کی باتوں کو سننے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں۔ اس مرحلے کے اہم نکات حسب ذیل ہیں:

پوچھنا' انتخاب کرنا' تشریح کرنا' جاننے کے بعد ردعمل کرنا' دینا' پکڑنا' پہچاننا' نشاندہی کرنا' موسوم کرنا' بتانا' بٹھانا' جواب دینا اور استعمال کرنا۔

II. ردعمل (Responding)

اس مرحلے میں طلبا مضمون سے متعلق مختلف سرگرمیوں میں فعال حصہ لیتے ہیں۔ طلبا توجہ دیتے ہیں اور دلچسپی کے ساتھ ردعمل کا اظہار کرتے ہیں۔ لہٰذا اس مرحلہ میں مخصوص سرگرمیوں اور تدریسی عمل میں دلچسپی پیدا کرنا شامل ہے۔ دلچسپی کو جاننے کا سب سے اچھا ذریعہ مشاہدہ ہے۔ اس کا اندازہ مشاہدہ کر کے' بات چیت یا اس سے کوئی کام کرا کے مختلف مضامین کے درمیان لے رہے دلچسپی کا مشاہدہ کر کے لگایا جاسکتا ہے۔ اس کی کچھ علامتیں مندرجہ ذیل ہوسکتی ہیں:

- ☆ کمرہ جماعت کے اندر طلبا کا زیادہ سے زیادہ سوالات پوچھنا۔
- ☆ اچھے ادب کا مطالعہ کرنا۔
- ☆ تحریر و تقریر کے مقابلوں میں پیش پیش رہ کر حصہ لینا۔
- ☆ خوبصورت اور واضح الفاظ کا استعمال کرنا۔
- ☆ اچھے قصّے' کہانیوں اور اشعار میں دلچسپی لینا۔

iii. قدر کرنا یا قدر افزائی (Valuing)

یہ تاثراتی میدان کا تیسرا مرحلہ ہے۔ اس مرحلے میں طلبا میں سائنسی رجحان فروغ پاتا ہے جس سے وہ چند مخصوص اقدار کے پابند ہو جاتے ہیں۔ تحصیلِ عمل اور ردِعمل یا جواب دہی اس مقصد کے حصول میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ اس کا اظہار طالب علم کے رویے سے ہوتا ہے۔ مثلاً طالب علم جمہوری عمل پر یقین رکھتا ہے، تہذیبی اختلاف کے برعکس اتحاد میں یقین رکھتا ہے وغیرہ۔

iv. تصور قائم کرنا (Conceptualization)

تدریسی مقاصد تصورات قائم ہونے کے بعد ہی کرداری مقاصد کہلاتا ہے۔ تدریسی مقاصد کے خصوصی کرداری ماحصلات، الفاظ، جملہ، تذکیرو تانیث کی شناخت، درست املا، ہجا کی پہچان وغیرہ کا واضح تصور قائم ہونا اس کے زمرے میں آتا ہے۔

v. تنظیم کاری (Organization)

اس مرحلہ میں طالب علم مختلف اقدار کے درمیان موازنہ کر کے ترجیحات کی بنیاد پر ان کی تنظیم کرتا ہے اور مسائل کے حل کے لیے منظّم منصوبہ بندی کے رول کی وضاحت کرتا ہے، جو اس کے رویے کو بہتر بنانے میں مددگار رہو۔ تاثراتی میدان کے اس مرحلہ کی اہمیت بہت زیادہ ہے کیونکہ فلسفہ زندگی اور اقدار کی تشکیل میں اس تعلیمی مقصد کا بہت ہی اہم رول ہے۔

vi. کردار سازی (Characterization)

یہ تاثراتی میدان کا اہم ترین مرحلہ ہے۔ اس مرحلے میں اقدار اور رویّے کو عملی زندگی میں شامل کیا جاتا ہے۔ اس میں مخصوص عقائد اور رجحانات پر مشتمل عادات واطوار پیدا ہوتے ہیں۔ یہ مرحلہ تاثراتی میدان کے تقریباً سبھی مقاصد پر مشتمل ہوتا ہے۔

3. حسی۔حرکی میدان (Psychomotor Domain)

اُردو زبان کی تدریس میں حسی حرکی میدان کے مقاصد کو ہم زبان کی بنیادی مہارتوں کے سیکھنے میں استعمال کر سکتے ہیں۔ کیونکہ زبان کی بنیادی مہارتیں سننے، بولنے، پڑھنے اور لکھنے کا سیدھا تعلق حسی حرکی اعضا سے ہوتا ہے۔ اس میں صحیح بولنے کی مہارت مثلاً صحیح تلفظ اور معقول اندازِ گفتگو ہیں۔ اسی طرح پڑھنے میں زیر و بم کا خیال اور تلفظ کا خیال وغیرہ ہے۔ پھر لکھنے کی مہارتوں اور لکھاوٹ میں صفائی، حروف کی بناوٹ، اس کی مختلف شکلیں، الفاظ کی بناوٹ اور ترتیب وغیرہ کو مقاصد کے طور پر اختیار کیا جا سکتا ہے۔ مقاصد کی درجہ بندی کا یہ نظریہ 1969ء میں Simpson کے ذریعہ پہلی بار منظر عام پر آیا۔ اُردو زبان کی تدریس میں بلوم کی درجہ بندی کلیدی رول ادا کر سکتی ہے۔ لیکن اس کے لیے تربیت یافتہ اساتذہ اور بہتر تعلیمی و تجرباتی ماحول کی ضرورت ہے۔

نیز یہ کہ حسی حرکی میدان کا تعلق جسمانی یا طبعی حرکات، مہارت اور اس کی نشوونما سے ہے۔ اس میں طالب علم کو حسی اعضا کے استعمال کی

مہارت سکھائی جاتی ہے۔تحریری اور زبانی امتحانات کا انحصار حسی حرکی مہارتوں یا خاصیتوں پر ہے۔مثلاً لکھنے کی مشق، تفحص الفاظ اور تکمیلی جملے بولنا، اور بہتر لب ولہجہ وغیرہ۔

حسی حرکی میدان کے مختلف مرحلوں کی درجہ بندی مندرجہ ذیل ہے:

i. تقلید/نقل کرنا (Imitation)

کسی چیز کا مشاہدہ کر کے نقل کرنا اور حواس خمسہ کے ذریعہ سے حرکت کرنے کے لیے رہنمائی حاصل کرنا اس زمرے کے تدریسی مقاصد میں شامل ہے۔ یہ مرحلہ سعی اور خطا کے افعال کی بنیاد پر کام کرتا ہے۔مہارت کے حصول میں نقل کا بڑا اہم مقام ہے مثلاً:

☆ روایتی اقدار سیکھنا

☆ روایتی عادات واطوار کی معلومات

☆ درجہ بندی اور گروہ بندی کی معلومات

☆ آفاقی نظام اصول کی معلومات

ii. سلیقہ مندی(Manipulation)

اس مرحلہ میں ذہنی، طبعی اور جذباتی آمادگی شامل ہیں۔اس میں زبانی معلومات کی تعریف، تشریح، نشاندہی، بازیابی وغیرہ آتے ہیں۔کسی نظریہ یا معلومات کو سیکھنے کے بعد طلبا اس کی ترجمانی کریں اور صحیح سمت میں گامزن ہوں۔

iii. منضبط/ارتباط/قابو کرنا (Precision)

اس مرحلہ میں فرد ہدایات کے مطابق کام انجام دیتا ہے۔طلبا تجربہ کرنے اور مشاہدہ کرنے کے درمیان درست ہدایت کو اپنائیں۔جس سے صحیح نتائج کا حصول ممکن ہو۔

iv. ترتیل (Articulation)

مختلف کاموں کو ایک سلسلہ میں ترتیب دینا اور اندرونی تسلسل میں ہم آہنگی پیدا کرنا ترتیل یا Articulation کہلاتا ہے۔مثلاً ایسے سمعی بصری اسباق یا ویڈیو تیار کرنا جن میں آواز تصویری ڈراما، رنگ اور بہتر آہنگ کی آمیزش ہو۔

v. فطرتی کردار سازی کرنا (Naturalization)

طلبا اس سطح پر پہنچنے پر اپنی سیکھی ہوئی مہارتوں کو اپنی فطرت ثانیہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔یعنی نئے حالات میں وہ ان مہارتوں کو خوداعتمادی کے ساتھ استعمال کرنے کے قابل ہوں گے۔حسی حرکی میدان کی یہ اعلیٰ سطح ہے جس میں مہارتیں طلبا کی فطرت کا حصہ بن جاتی ہیں۔

vi. عادت کی تشکیل کرنا (Habit Formation)

حسی حرکی میدان میں جب کوئی بچہ/طالب علم کسی بڑے کی یا اپنے اساتذہ کی تقلید کرتے ہوئے اس میں مہارت پیدا کر کے اسے اپنی عادت ثانیہ بنالیتا ہے اوراس کی وہ عادت یا مہارت اسی کی ذات سے وابستہ ہو جاتی ہے تو اسے عادت کی تشکیل یاHabit Formation کہتے ہیں۔زبان کی تدریس میں تحریر وتقریر سے اس کی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں جیسے تقریر میں جسمانی اعضا کا استعمال یا اشاروں کی زبان کا استعمال اور تحریر میں حروف و الفاظ کی بناوٹ وغیرہ۔

5.5 یاد رکھنے کے نکات

اس اکائی میں آپ نے مطالعہ کیا کہ زبان کا مفہوم کیا ہے۔ یہ کس طرح مختلف طریقے سے اضافی بقا کے لیے کام کرتی ہے۔کس طرح علوم وفنون کی ترویج وترقی میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ بتایا گیا کہ روزانہ زندگی میں زبان کی اہمیت کیا ہے اور یہ مہد سے لحد تک انسان کا ساتھ دیتی ہے۔زبان کے ذریعے ہی تعلیم وتعلم کا کام چلتا ہے۔زبان سماجی زندگی میں انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر کس قدر مفید اور کارآمد ہے۔سماج کا ہر فرد اوران کے کارناموں کی انجام دہی زبان کے ذریعے ہی ہوتی ہے۔کامیاب افراد تو زبان کے ذریعے ترقی کرتے ہی ہیں ناکارہ انسان بھی زبان کے سہارے ہی اپنی روزی روٹی کماتے ہیں۔شعرا، ادبا مفکرین اور سیاسی رہنما سب کے سب زبان کے سہارے ہی اپنی خدمات انجام دیتے ہیں۔

ہندوستان کی جدید زبانوں میں سب سے زیادہ استعمال کی جانے والی اردو زبان، ہند، ایرانی لسانی گروپ سے تعلق رکھتی ہے۔ ہندوستان ہی نہیں بلکہ بیرونی ممالک کے 100 سے زائد تعلیمی اداروں میں اس کی تعلیم وتدریس کا انتظام ہے۔عصر حاضر میں اس کا شمار دنیا کی بین الاقوامی زبان میں تیسرے نمبر پر ہے۔زبان کی ترسیل شعوری اور غیر شعوری دونوں طرح سے کیا جاتا ہے۔ لکھنے پڑھنے والی زبان کے علاوہ ترسیل زبان کے اور بھی ذرائع ہیں مثلاً اشاروں کی زبان، آواز کی زبان اور علامتوں کی زبان، سماجی اور معاشی نظام میں زبان کے ان ذرائع سے بہت بڑے بڑے کام لیے جاتے ہیں۔شہری ترقی، شہری ہوابازی، ریلوے اور روڈویز کی آمد ورفت کا دارو مدار اشاروں کی زبان پر ہے۔مختلف طریقوں سے ہم آوازوں کی زبان کا بھی استعمال کرتے ہیں مثلاً خوشی، غم، حیرت استعجاب کی کیفیات کے لیے مختلف طرح کی آواز کی زبان کا استعمال کرتے ہیں۔مختلف طرح کے اوزاروں، مشینوں اور قدرتی آواز سے اس کی ترسیل ہوتی ہے۔علامتوں کی زبان کے ذریعہ ہم طرح طرح کے الفاظ کی تشکیل کرتے ہیں۔قواعد کے تمام قوانین علامتوں کی زبان کی نشاندہی کرتے ہیں۔ حروف کے ساتھ مختلف طرح کی علامتوں کے استعمال سے ان کی آواز پیدا کی جاتی ہے۔

ہندوستان کی جدید زبانوں میں معروف زبان اردو ہے۔اس کی تدریس ابتدائی درجات سے اعلیٰ سطح تک کی جاتی ہے۔اردو زبان کو ہندوستان کی متعدد ریاستوں میں پہلی، دوسری اور تیسری سرکاری زبان کی حیثیت حاصل ہے۔اسے سہ لسانی فارمولہ میں شامل کر کے اسکولی سطح پر اس کی تعلیم کو یقینی بنایا گیا ہے۔اردو زبان کی تدریس مادری زبان، ثانوی بان اور بحیثیت تیسری زبان ثانوی سطح تک کی جاتی ہے۔بچہ اپنی مادری زبان میں بہتر طریقہ سے تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔اس دنیا کے سبھی ماہرین تعلیم نے بچے کی ابتدائی اور ثانوی سطح تک کی تعلیم کو مادری زبان کے ذریعہ دینے کی پرزور وکالت کی ہے۔اساتذہ کو چاہیے کہ اس کے لیے طلبا کی ہمت افزائی کریں۔

ثانوی سطح پر اردو کی تدریس کے مقاصد کو دو زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔عمومی مقاصد اور خصوصی مقاصد۔عمومی مقاصد میں آوازوں کو سن کر دہرانا اور اس میں اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرنا شامل ہے۔اس کے علاوہ ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کرنا، زبان کی مختلف علامتوں کو سمجھنا اور اس کا استعمال کرنا گویا اردو سننا اسے سمجھنا اس کو اپنی گفتگو میں استعمال کرنا عام اور درسی کتابیں پڑھنا اور سنی ہوئی پڑھی ہوئی باتیں لکھنا اس کے عمومی مقاصد میں آتے ہیں۔جبکہ خصوصی مقاصد میں مختلف ادب پاروں میں پیش کیے گئے خیالات کی ترجمانی، تخلیقی اور استحسانی صلاحیت کے علاوہ نثری اور شعری اسلوب میں فرق ان کے اجزائے ترکیبی اور تکنیک وساخت کی پہچان واستعمال، شاعروں اور مفکرین اور اردو زبان وادب کی ترویج وترقی میں معاون تحریکوں اور اداروں کی جانکاری اور ان کے کارناموں کی نشاندہی شامل ہے۔

سبھی درسی اور نیم درسی سرگرمیوں کا انحصار بہتر درسیات اور نصابات پر ہے' اس لیے اردو کا نصاب بھی اس طرح کا ہونا چاہیے کہ طلبا کی علمی تشنگی کو دور کر سکے۔نصاب کی تدوین کرتے وقت طلبا کی عمر' نفسیات اور سماجی ضرورتوں کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔نصاب کو موجودہ زمانے کی تعلیمی ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہونا چاہیے۔گویا نصاب کو ضروریات مرکوز ہونا چاہیے۔اس میں طلبا اور اساتذہ دونوں کی بہتر کارکردگی کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔نصاب لچکدار ہو، مشغلہ مرکوز ہو، ترکیب وترتیب کے لحاظ سے موثر ہو اور اس میں تحقیقی اصول کارفرما ہو۔اردو زبان وادب کا نصاب خواہ مادری زبان کے طلبا کے لیے ہو یا ثانوی اور تیسری زبان کے طلبا کے لیے مذکورہ نکات کا خاص خیال رکھ کر اسے مفید بنایا جاسکتا ہے۔

5.6 فرہنگ

الفاظ	معنی
ترسیل	ارسال، روانگی، ابلاغ
علامت	نشان، Mark، اشارہ، آثار، شناخت کا نشان
موقف	مقام، کھڑے ہونے کی جگہ
مہد	گہوارہ، پالنا ڈول، جھولنا
لحد	قبر، قربت، مزار
انہماک	مشغول
منہاج	راستہ، راہ، سڑک، شاہراہ
مفقود	گم شدہ، جو پایا نہ جائے، کھویا ہوا

5.7 اپنی معلومات کی جانچ

1 روزمرہ زندگی میں زبان کی اہمیت وافادیت بتائیے۔

2 ترسیل کے لحاظ سے زبان کی اقسام کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔

3 ثانوی سطح پر اردو تدریس کے عمومی مقاصد بیان کیجیے۔

4 ثانوی سطح پر اردو کے نصاب کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

5 اردو زبان کی ثقافتی اور تہذیبی وراثت پر تبصرہ کیجیے۔

6 بحیثیت ثانوی زبان کے اردو تدریس کے خصوصی مقاصد پر روشنی ڈالیے۔

7 مادری زبان سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ بچوں کی تعلیم مادری زبان میں کیوں ہونی چاہیے۔

8 ہندوستان میں اردو کے موقف کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

9 زبان کی مختلف قسموں کی افادیت بیان کرتے ہوئے طریقہ تدریس میں اس کے استعمال کا جائزہ لیجیے۔

5.8 سفارش کردہ کتابیں

1 ڈاکٹر ریاض احمد، تعلیم وتدریس کے روشن پہلو، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی (2011)۔

2 قومی درسیات کا خاکہ -2005، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی

3 نیشنل فوکس گروپ کا پوزیشن پیپر برائے ہندوستانی زبانوں کی تدریس، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی (2010)۔

4 معین الدین، اردو زبان کی تدریس، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی (1988)۔

5 فرمان فتح پوری، تدریس اردو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، پاکستان (1986)۔

اکائی۔(B) 5 سبق کی منصوبہ بندی، مراحل اور خرد تدریس

ساخت

5.1 تمہید

5.2 مقاصد

5.3 پس منظر

5.4 سبق کی منصوبہ بندی

5.4.1 منصوبہ بندی کے مراحل

5.4.2 مقاصد

5.4.3 تمہید یا تعارف

5.4.4 سابقہ معلومات کی جانچ

5.4.5 محرکہ

5.4.6 اعلان سبق

5.4.7 پیش کش

5.4.8 طریقہ تدریس

5.4.9 مواد مضمون (متن)

5.4.10 بلند خوانی

5.4.11 خاموش مطالعہ

5.4.12 رائٹنگ بورڈ اور تدریسی امدادی اشیا کا استعمال

5.4.13 جائزہ/موازنہ

5.4.14 تعیم

5.4.15 اطلاق

5.4.16 اعادہ

5.4.17 تفویض کار یا گھر کا کام

5.5 خرد تدریس (Micro Teaching)

5.5.1 خرد تدریس کی خصوصیت

5.5.2 خرد تدریس کا منصوبہ سبق (ماڈل لیسن پلان)

5.6 اشارات سبق (Lesson Plan)

5.7 یاد رکھنے کے نکات

5.8 فرہنگ

5.9 اپنی معلومات کی جانچ

5.10 سفارش کردہ کتابیں

5.1 تمہید

جس طرح زندگی کے دوسرے شعبوں میں صحیح منصوبہ بندی کے ذریعہ ترقی کے ہدف کو حاصل کیا جاسکتا ہے اسی طرح تعلیم کے ضمن میں موثر منصوبہ بندی کامیاب تدریس اور بہتر تعلیمی نتائج کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔ تعلیمی منصوبہ بندی درحقیقت پورے تدریسی عمل کا بلو پرنٹ ہوتا ہے۔ منصوبہ بندی میں منصوبہ ساز کا اعلیٰ تخیل، مدلّل سوچ اور موضوعی مہارت شامل ہوتی ہے۔ چونکہ اساتذہ بہتر منصوبہ ساز بھی ہوتے ہیں اس لیے تعلیم کی بہتر کارکردگی، موثر تدریس اور اس کے لیے موزوں انتظام ان سے بہتر اور کوئی نہیں کرسکتا۔ لیکن منصوبہ بندی کرتے وقت معیار تعلیم، طلبا کی نفسیات، تعلیمی اہداف، انسانی وسائل، تعلیمی انفراسٹرکچر اور ماضی کی کامیابی اور ناکامی کے تئیں محتاط رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ منصوبہ بندی ہمیشہ لچکدار ہونی چاہیے۔

چنانچہ اس اکائی میں سبق کی منصوبہ بندی، اس کے عناصر، سبق کی منصوبہ بندی کے مراحل اور طریقہ کار کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جس طرح کوئی بھی بڑا کام کرنے سے پہلے اس کا خرد پلان تیار کرلیا جاتا ہے۔ اسی کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس اکائی میں میکرو لیسن پلان سے پہلے مائیکرو لیسن پلان (خرد تدریس) کو بہتر طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ خرد تدریس کی خصوصیات اور اس کی تعریفات اور مختلف مراحل کو مدلل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس اکائی میں خرد تدریس کے پانچ مہارتوں پر ماڈل لیسن دیا گیا ہے۔ تاکہ آپ کو مشقی تدریس کے دوران کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ مشقی تدریس کو مزید آسان بنانے کے لیے سبق کی مختلف طرح کی منصوبہ بندی اور اس میں استعمال ہونے والی تدریسی اشیا اور طریقہ استعمال کا بھرپور تذکرہ ہے۔ اسی اکائی میں آپ کی آسانی کے لیے اشارات سبق کے پانچ ماڈل اشارات سبق نثر، نظم، غزل، قواعد اور انشا دیے گئے ہیں۔ تدریسی منہاج و مقاصد کے حصول کو آسان اور دلچسپ بنانے کے لیے سمعی بصری تدریسی امدادی اشیا کا استعمال ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اس اکائی میں سمعی بصری تدریسی امدادی اشیا کے متعلق مختصر مگر جامع معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

5.2 مقاصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ

☆ منصوبہ سبق کے اغراض ومقاصد بیان کرسکیں گے۔

☆ منصوبہ سبق کے مختلف طریقے اورعناصر کی صراحت کرسکیں گے۔

☆ خردمنصوبہ سبق اوراشارات سبق کے مختلف نکات کی جانکاری حاصل کرسکیں گے۔

☆ خردتدریس کے اغراض ومقاصداور طریقہ تدریس کا جائزہ لیں سکیں گے۔

☆ منصوبہ سبق کے اشارات تیار کرسکیں گے۔

☆ مختلف اصناف کے منصوبہ سبق کے طریقہ کار سے بحث کرسکیں گے۔

☆ غزل کی انفرادی منصوبہ سبق کا تجزیہ پیش کرسکیں گے۔

☆ مشقی تدریس کے دوران معاون تدریسی اشیا (سمعی وبصری) کے استعمال کی جانکاری حاصل کرسکیں گے۔

5.3 پس منظر

کسی بھی تدریسی عمل کو احسن طریقے سے انجام دینے کے لیے اس کی منصوبہ بندی کی ضرورت ہوتی ہے۔ سبق کی منصوبہ بندی نہایت ضروری ہے کیونکہ سبھی منصوبہ بندیوں کی کامیابی سبق کی بہتر منصوبہ بندی پر ہے۔ منصوبہ سبق کی اچھی ترسیل ہی درس وتدریس کی کامیابی کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔ اگر سبق کی منصوبہ بندی بہتر طریقے سے نہ کی جائے اور اُن کا اطلاق درجے میں طلبا پر نہ ہو تو کسی منصوبہ بندی کا کوئی فائدہ نہیں۔

سبق کی کامیابی کے لیے موزوں منصوبہ بندی ٹھیک اسی طرح ضروری ہے جیسے تعمیر وترقی کے دوسرے شعبوں میں ہوتی ہے۔ جیسے کسی کام کے منہاج ومقاصد کو حاصل کرنے کے لیے اور اُس سے بہتر نتائج اخذ کرنے کے لئے صحیح منصوبہ بندی کی جاتی ہے ٹھیک اسی طرح بہتر تدریس، اس کی ترسیل، تفہیم اور آموزش کے لیے سبق کی منصوبہ بندی نہایت ضروری ہے۔ ایک موثر اور ذمہ دار اُستاد کے لئے کلاس روم میں اپنی تدریس کو دلچسپ اور بہتر بنانے کی کوشش ضروری ہے۔ اساتذہ کو پڑھانے سے قبل ذہنی طور پر تیار ہونا بھی بہت ضروری ہے۔ عام طور سے یہ دیکھا جاتا ہے کہ جو اساتذہ ذہنی طور پر سبق کی تیاری نہیں کرتے اور منصوبہ سبق تیار کر کے درجے میں نہیں جاتے وہ کمرۂ جماعت میں اِدھر اُدھر کی خوش گپیاں کر کے اپنا اور طلبا کا وقت خراب کرتے ہیں۔ بعض دفعہ اپنی لاپروائی کی وجہ سے اساتذہ کو کمرۂ جماعت میں اپنی لاعلمی، کم علمی اور بے عزتی کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ اگر وہی اساتذہ سبق کے لئے منصوبہ بندی کرلیں، سبق کے اشارات تیار کرلیں اور ذہنی طور پر اپنے آپ کو سبق سے، اس کی تفہیم سے اور طلبا کی ذہنی سطح سے ہم آہنگ کرلیں تو مذکورہ حالات سے بچا جاسکتا ہے اور وقت کا صحیح استعمال بھی کیا جاسکتا ہے۔

یوں تو تجربہ کار اور عمر رسیدہ اساتذہ کے لیے بھی منصوبہ سبق اور اس کے اشارات سبق کی تیاری کے ضمن میں بہت کارآمد ہوتے ہیں جب کہ زیر تربیت اساتذہ کے لیے منصوبہ سبق کی تیاری اُن کی تربیت کا اہم ترین پہلو ہے۔ چنانچہ زیرِ تربیت اساتذہ کے لیے ضروری ہے کہ منصوبہ سبق اور اشاراتِ سبق پر خاص توجہ دیں۔ مختلف علوم وفنون کی تدریس کے لئے منصوبہ سبق کی تیاری کا مرحلہ اور اُن کے اقدامات الگ الگ ہوتے ہیں۔ کیونکہ اُن کے تدریسی مقاصد قدرے مختلف

ہوتے ہیں۔ بعض مضامین معلوماتی ہوتے ہیں' بعض تجرباتی۔ زیرِ تربیت اساتذہ کو چاہئے کہ اُن مضامین اور علوم کے درسی مقاصد کو ذہن میں رکھتے ہوئے اشاراتِ سبق کی تیاری کریں اور اُن کے اہم نکات و اقدامات کو تحریر کرنے کے علاوہ ذہن نشین بھی کر لیں۔

5.4 سبق کی منصوبہ بندی

بلا شبہ سائنسی' سماجی' ریاضی اور زبان و ادب کے مضامین اپنی الگ الگ شناخت اور افادیت رکھتے ہیں۔ اُن کی افادیت اور طریقہ تدریس کی بنا پر اُن کی منصوبہ بندی اور اشاراتِ سبق بھی الگ الگ ہوتے ہیں۔ تدریسِ زبان میں جن درسی پہلوؤں کا خیال رکھا جاتا ہے دیگر علوم کی تدریس میں اُن کی افادیت نہیں۔ چنانچہ زبان و ادب کی تدریس کے لئے منصوبہ سبق اور اشاراتِ سبق تیار کرتے وقت اُس سے متعلق مخصوص اُمور پر توجہ صرف کی جانی چاہیے۔

اُردو زبان کی تدریس میں بھی مختلف درجات کے لیے اور مختلف اَصنافِ ادب کے لئے اُن کی ضروریات کے پیشِ نظر اشاراتِ سبق میں تبدیلی کرنی پڑتی ہے۔ مثلاً ابتدائی درجات کے منصوبہ سبق میں زیادہ توجہ زبان پر دینی چاہیے جبکہ ثانوی اور اعلیٰ ثانوی جماعتوں میں اشاراتِ سبق تیار کرتے وقت بتدریج زبان سے زیادہ ادب پر توجہ دی جانی چاہیے۔ عام طور سے اُردو کے منصوبہ سبق میں چار طرح کے اشاراتِ سبق تیار کیے جاتے ہیں۔ نثر' نظم' قواعد اور اِنشا۔ ان چاروں طرح کے عنوانات کی تدریس کے لیے اساتذہ کو اپنی منصوبہ بندی میں ضرورت کے لحاظ سے طریقہ تدریس واقدامات میں تبدیلی کرنی چاہیے کیونکہ ان میں ہر ایک کی تدریس کے مقاصد الگ الگ ہیں اور تفہیم کی نوعیت بھی، اس لیے اشاراتِ سبق بھی مختلف ہونے چاہئیں۔ ہماری درسی کتابوں میں نظم و نثر کے اسباق دیے ہوتے ہیں جبکہ اساتذہ کو اُن کی تفہیم میں پختگی لانے کے لئے اور اُن اصناف سے دلچسپی پیدا کرنے کے لیے قواعد اور انشا کی تدریس ضروری ہوتی ہے۔ نثری اسباق کے لئے جو اشاراتِ سبق تیار کیے جاتے ہیں اُن کا پوری طرح اطلاق نظم کے اسباق پر نہیں ہوتا۔ بعینہ نظم کے لیے تیار کیے گئے اسباق نثر کی تفہیم کے لئے بہتر نہیں ہوں گے۔ ٹھیک اسی طرح نظم و نثر کے لیے تیار کیے گئے اِشاراتِ سبق قواعد اور انشا کی تدریس کے لئے کارآمد نہیں ہو سکتے۔ نثر کی تدریس کرتے وقت اساتذہ کو مختلف طرح کی توضیحات' تفصیلات اور تلمیحات کی وضاحت کرنی پڑتی ہے جبکہ نظم کے اسباق کی تدریس میں اُن تفصیلات سے زیادہ علامتوں اور تشبیہات و استعارات اور تحسین شعر کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی لیے وہ اُصول وضوابط جو نثری اسباق کے اشارات تیار کرتے وقت ذہن میں رکھے جاتے ہیں وہ نظم کے لیے کارآمد نہیں۔ یہی نہیں بلکہ نظم و نثر اور قواعد انشا کی تدریس کے طریقے میں نیز مہارتوں کے استعمال میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ منصوبہ سبق کا اور اس کے اشارات کے اصول بہت سے ماہرینِ تعلیم نے وضع کیے ہیں تاہم کوئی بھی اُصول اور طریقہ کار زبان کی تدریس میں حرفِ آخر نہیں۔ چنانچہ اساتذہ کو سبق' اصناف اور موقع محل کے لحاظ سے اُن میں تبدیلی کر لینی چاہیے لیکن تبدیلی کرتے وقت تعلیمی اور آموزشی اُصول کارفرما ہوں۔

جیسا کہ بتایا گیا کہ منصوبہ سبق کی تیاری تدریسی مقاصد کو سامنے رکھ کر کی جاتی ہے' اس لیے تمام اسباق کو مقاصد کے لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم کر لیتے ہیں' اُردو میں پہلا مقصد علمی اور معلوماتی ہوتا ہے جبکہ دوسرا مقصد لطف اندوزی اور سخن فہمی' حالانکہ دوسرے مضامین مثلاً سماجی علوم اور سائنسی علوم میں اس سے قدرے فرق پایا جاتا ہے' حالانکہ علمی اور معلوماتی مقصد کا زیادہ تعلق مطالعہ فطرت اور ماحولیاتی مشاہدات پر ہے' لیکن ان کا اطلاق زبان و ادب کی تدریس میں بھی ہوتا ہے' کیونکہ درسی کتاب کی تدوین کے وقت جو اصول کارفرما ہوتا ہے وہ مختلف مضامین و علوم کا عمودی و افقی ربط ہے۔ چنانچہ درسیات میں زبان اور دوسرے علوم کی تدریس کو پوری طرح الگ تصور نہیں کرنا چاہئے' اشاراتِ سبق تیار کرتے وقت متعلم اساتذہ کو اور ان کے نگراں اساتذہ کو جن نکات پر اور اس کی تفہیم پر خاص خیال کرنا چاہئے ان میں درسی امدادی ذرائع' تمہید' اعلانِ سبق' پیش کش' رائٹنگ بورڈ اور گھر کا کام خاص ہیں۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ منصوبہ سبق کے

اشارات کوئی مجرد شئے نہیں جو تبدیل نہ ہو سکے' بلکہ مضامین اور اصناف کے لحاظ سے ان نکات میں رد بدل کی جا سکتی ہے۔ جہاں تک درسی یا تدریسی آلات' ساز وسامان یعنی ٹیچنگ ایڈس کے سامان کا تعلق ہے تو یہ مضمون' سبق' عنوان اور ذیلی عنوان کی مناسبت سے ہونا چاہیے اور ان کا استعمال اس سبق میں تدریس کے دوران موزوں اور مناسب وقت پر کیا جانا چاہیے۔ تدریسی امدادی ذرائع کا استعمال طلبا کے ذہن کو تدریس کی طرف مبذول کرانے اور سبق میں دلچسپی پیدا کرنے نیز سیکھنے میں تحریک پیدا کرتے ہیں۔ عام طور سے اس کے لئے چارٹ' تصاویر' نقشہ' ماڈل' اٹلس' رائٹنگ بورڈ' چاک' ڈسٹر وغیرہ شمار کیے جاتے ہیں۔ لیکن سب سے بڑی ٹیچنگ ایڈ کا رول درسی کتاب ادا کرتی ہے۔ موجودہ زمانے میں سمعی و بصری ساز وسامان اور الکٹرانک اشیا جیسے کمپیوٹر وغیرہ بھی ٹیچنگ ایڈ ہیں۔ ان کا بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ امدادی تدریسی اشیا درس و تدریس کو موثر دلچسپ بناتی ہے' اور آموزش کو مستحکم کرنے میں اہم رول ادا کرتی ہے۔ نیز اساتذہ کا وقت بچانے کے ساتھ ساتھ تقویت بھی فراہم کرتی ہے' یوں تو زبان کی تدریس میں معاون تدریسی ساز وسامان کا بہت زیادہ اطلاق نہیں' پھر بھی ابتدائی درجات میں اس کے موثر استعمال سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

سبق کی منصوبہ بندی کرتے وقت ہدف گروپ اور اس مضمون کے مقاصد کو ضرور سامنے رکھنا چاہیے کیونکہ بغیر اہداف اور مقاصد کے بہتر اکتساب کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی۔ مقاصد کے حصول کے لیے اور اہداف گروپ کی بہتر آموزش کے لئے مختلف طرح کی مہارتوں اور حکمتِ عملیوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ درسی مقاصد کے حصول کے لیے جن تین نکات مقاصد پر توجہ دینی چاہیے وہ ہیں:

i) مہارت مرکوز مقاصد

ii) موادمرکوز مقاصد

iii) استعدادمرکوز مقاصد

مذکورہ مقاصد کے تحت اساتذہ کو چاہیے کہ سبق کی ایسی منصوبہ بندی کریں جس کے دوررس نتائج سامنے آئیں۔ یعنی مہارت مرکوز منصوبہ بندی کا مقصد سبق کی تکمیل یا ان درجات کی تکمیل کے بعد بالخصوص زبان ولسان کے مضامین میں سننے' بولنے اور مافی الضمیر کے اظہار کرنے کی اچھی لیاقت پیدا ہو جائے۔ اسی طرح موادمرکوز منصوبہ سبق کا ہدف یہ ہونا چاہیے کہ جس مواد مضمون /عنوان /اصناف کے لیے منصوبہ تیار کیا گیا ہے ان پر طلبا کو عبور حاصل ہو جائے۔ یعنی ان مضامین یا مضمون کو پڑھنے' سمجھنے' ان سے سبق حاصل کرنے' لطف اندوز ہونے بالخصوص زبان کے مختلف اضاف کی خصوصیات وغیرہ سے واقفیت ہو جایے۔ اس سے نثر اور نظم کے مختلف پہلوؤں مثلاً تشبیہہ' استعارے' کنایے' تلمیحات' کردار اور شخصیات وغیرہ کی معقول جانکاری طلبا کو ہو جائے۔ نیز زبان کی تدریس میں استعدادمرکوز منصوبہ سبق کا مقصد طلبا میں زبان و بیان بالخصوص صرف ونحو کی لیاقت پیدا کرنا ہے اور اس کے ذریعہ دوسرے علوم کے اکتساب میں تیزی اور بہتری لانا ہے۔

سبق کی منصوبہ بندی

سبق کی منصوبہ بندی تدریسی امور کی انجام دہی میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایک استاد جتنی اچھی منصوبہ بندی کرتا ہے کمرہ جماعت میں خود اس کے لئے اور اس کے طلبا کے لئے اتنے ہی بہتر اکتسابی عمل کا فروغ ہوتا ہے۔ منصوبہ سبق بہ یک وقت طلبا' اساتذہ اور تعلیمی مشیر و انتظامیہ سب کے لئے یکساں مفید ہے۔ منصوبہ سبق باقی دونوں منصوبوں سالانہ منصوبہ اور اکائی منصوبہ کا تکملہ ہے۔ گویا اگر منصوبہ سبق کی تیاری اور انجام دہی اچھی طرح نہ کی جائے تو نہ ہی اکائی منصوبہ

کی تکمیل ہوسکتی ہے اور نہ سالانہ منصوبہ بندی کی۔ہم کہہ سکتے ہیں کہ پوری تعلیمی سرگرمیوں کا محور سبق کی منصوبہ بندی ہے۔سبق کی منصوبہ بندی سے اساتذہ میں خود اعتمادی اور طلبہ میں انہماک پیدا ہوتا ہے نیز تدریس موثر ہوتی ہے اور کمرہ جماعت پُرسکون۔

عام طور سے سبق کی منصوبہ بندی میں تین مراحل کا استعمال پوری دنیا میں ہوتا ہے۔جو ذیل کے اصولوں پر مبنی ہیں:

i) سبق کے مقاصد کا تعین

ii) موزوں طریقہ تدریس کا انتخاب

iii) تدریس زبان کی اہم مہارتوں کا انتخاب

مذکورہ نکات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اولاً استاد کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کیا پڑھانے جا رہا ہے؟۔تدریس کا طریقہ کار اور حکمت عملی کیا ہوگی؟ پڑھائے جانے والے سبق کا مقصد کیا ہے؟ آج کل بہت سے تعلیمی تحقیقی اداروں میں مسائل پر مبنی (Issue Based) سبق تیار کرنے اور اس کا منصوبہ بنانے کا چلن عام ہو رہا ہے۔ایسے اسباق کی منصوبہ بندی کے خاص مقاصد ہوتے ہیں۔چنانچہ اساتذہ کو اسی طرح کی تدریسی سرگرمیوں کا انتخاب کرنا چاہئے جو مذکورہ مقاصد کی تکمیل میں معاون ہوں۔ان سب کے علاوہ اسباق سے طلبہ کی ذہنی مطابقت، دلچسپی اور مفاہمت بھی لازم ہے۔

5.4.1 منصوبہ بندی کے مراحل

متعدد ماہرین تعلیم، ماہرین تعلیمی نفسیات اور محققین نے سبق کی منصوبہ بندی کے مراحل سے متعلق اپنے اپنے نظریات و خیالات پیش کیے ہیں۔زیادہ تر ممالک کے تعلیمی اداروں نے جان فریڈرک ہربارٹ (John Fredrich Herbart) کے مراحل کو اصولی طور پر تسلیم کیا ہے اور ان کے پیش کردہ منصوبہ سبق کے چھ مراحل ہی کا استعمال منصوبہ سبق تیار کرنے میں کرتے ہیں۔یہ چھ مراحل ہیں:

i) تیاری (Preparation)

ii) پیش کش (Presentation)

iii) موازنہ (Comparision)

iv) تعمیم (Generalisation)

v) اطلاق (Application)

vi) اعادہ (Recapitulation)

5.4.2 مقاصد

تیاری یا تعارف اصل میں طلبا کو پڑھائے جانے والے مضامین اور ان سے متعلقہ معلومات کا اندازہ ہے۔اس کے ذریعہ طلبہ کی ذہنی توجہ تدریس و سبق کی جانب مبذول کرنی ہوتی ہے۔مختلف مضامین، سطحوں اور درجات کے لحاظ سے اس کے کئی ذیلی عنوانات دیے جاسکتے ہیں۔مثلاً مقاصد، تمہید، سابقہ معلومات کی جانچ اور محرکہ وغیرہ۔

زبان کی تدریس کے لحاظ سے مقاصد کو دو زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے عمومی مقاصد اور خصوصی مقاصد۔ جسے عام مقاصد اور خاص مقاصد بھی کہتے ہیں۔ عمومی مقاصد عام طور سے اسی سبجیکٹ یا زبان کے لحاظ سے طے کیے جاتے ہیں۔ یعنی کسی زبان یا مضمون کی تدریس کے مقاصد کیا ہیں؟ اس کی تدریس کے بعد طلبا کے علم میں کیا کیا اضافہ ہوگا؟ ان کی آموزش کے بعد اکتسابی عمل میں کتنی آسانی ہوگی؟ اور مجموعی طور پر کوئی طالب علم یا ہدف گروپ اس مضمون یا زبان سے کیا فائدہ حاصل کرے گا؟

خصوصی مقاصد عمومی مقاصد کی تکمیل کرتے ہوئے اس مخصوص سبق اور صنف کے درسی مقاصد کو طے کرتے ہیں یعنی خصوصی مقاصد کسی مخصوص درجے کے خاص اوقات (Period) میں پڑھائے جانے والے سبق پر مبنی ہونا چاہیے۔ مثلاً نظم، نثر، قواعد اور انشا کی تدریس میں ان کے اسباق کے خصوصی مقاصد انہیں مخصوص مضمون پر مبنی ہونے چاہئیں۔

5.4.3 تمہید یا تعارف

یوں تو تمہید طلبہ کو سبق کی طرف راغب کرنے کا ایک ذریعہ ہے لیکن عملی طور پر دوران تربیت معلم گھسے پٹے الفاظ اور طریقہ کار اپناتا ہے جبکہ چاہیے یہ کہ تمہید پر اثر ہو، پر لطف ہو، طلبہ کی ذہنی سطح سے میل کھاتی ہو، مضمون اور سبق کے اعتبار سے موزوں ہو اور حالات و واقعات کے لحاظ سے برمحل ہو تاکہ طلبا دلچسپی کا مظاہرہ کریں۔ طلبا اپنے سابقہ ذہنی دائرہ سے نکل کر استاد اور سبق کی طرف مائل ہو جائیں اور ان کا ذہن کلی طور پر سبق کی طرف راغب ہو جائے۔

5.4.4 سابقہ معلومات کی جانچ

اس کے تحت طلبہ میں موجودہ علم و فہم کی جانچ کی جاتی ہے اور پڑھائے گئے اسباق یا دی گئی معلومات سے ان کی واقفیت، ناواقفیت، دلچسپی، عدم دلچسپی کی بھی جانچ کی جاتی ہے۔ اساتذہ کو چاہیے کہ وہ سابقہ معلومات کی جانچ اس طرح کریں کہ موجودہ سبق کی طرف طلبا کا ذہن خود بخود مبذول ہو جائے۔ اور طلبا سبق سے، طریقہ تدریس سے اور استاد کی شخصیت سے دلچسپی اور تجسس کا اظہار کریں۔ سابقہ معلومات کی جانچ چست، درست، برمحل اور دلچسپ تو ضرور ہو لیکن اس پر کم سے کم وقت صرف کیا جائے۔

5.4.5 محرکہ

محرکہ، تمہید اور سابقہ معلومات کی ہی ایک شکل ہے لیکن اس کا طریقہ کار تھوڑا الگ ہے۔ محرکہ خاص طور سے ابتدائی جماعت کے اولین درجات مثلاً اول، دوم اور سوم کے لیے زیادہ مفید اور کارآمد ہوتا ہے۔ جبکہ بعض مضامین میں چوتھے اور پانچویں درجے میں بھی محرکہ سے بہتر تدریسی مقاصد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ محرکہ صرف سوال پوچھنے کا اور جواب دینے کا نام نہیں بلکہ اس کا مقصد ان چھوٹے بچوں میں تحریک ذہنی اور تحریک نفسی پیدا کرنا ہے تاکہ وہ پڑھائے جانے والے سبق سے دلچسپی و انہماک کا مظاہرہ کریں۔ محرکہ کے لیے حسب ضرورت گانا، گیت، میوزک (موسیقی)، نظم، ڈرامہ، ڈائلاگ، تصاویر، تدریسی اشیا اور سمعی و بصری امداد (Audio-Visual Aids)، کا مضمون، سبق اور سطح کے لحاظ سے موزوں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

5.4.6 اعلان سبق

مذکورہ بالا حکمت عملیوں کا صرف اور صرف ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ ان ذریعوں سے طلبہ کے ذہن کو سبق کی طرف مائل کیا جائے اور تدریس کا عمل بہتر ڈھنگ سے شروع ہو۔ نیز سبق کا مفہوم اور موضوع قریب قریب واضح ہو جائے۔ اساتذہ کو چاہیے کہ جب مذکورہ حکمت عملیوں کے ذریعے طلبا تدریس کی جانب آمادہ ہو جائیں تو وہ تدریسی موضوع، سبق کا نام یا اصناف کا اعلان کرے کہ بچوں آج ہم فلاں کے متعلق مزید جانکاری حاصل کریں گے۔

5.4.7 پیش کش

پیش کش منصوبہ سبق کا اہم ترین مرحلہ ہے۔ بہتر آموزش و اکتساب کے لیے اس مرحلے میں مختلف مہارتوں اور حکمت عملیوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ طلبہ اور اساتذہ کا خصوصی طور سے اشتراک اور سرگرمی بہتر تدریس کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ اس مرحلے کو اساتذہ کے لیے ''لٹمس پیپر ٹسٹ'' کہنا بیجا نہ ہوگا۔ پیش کش کے ضمن میں کئی ذیلی مرحلے آتے ہیں جن میں خاص طور سے طریقہ تدریس، مواد مضمون، بلند خوانی اور خاموش خوانی، تدریسی امدادی اشیا اور رولر بورڈ و تختہ سیاہ کا استعمال خاص ہیں۔

5.4.8 طریقہ تدریس

مضامین کی ضرورت اور اسباق کی ندرت کے لحاظ سے طریقہ تدریس کا انتخاب کرنا چاہیے۔ گویا جس طرح کا سبق ہو اور جیسا ٹارگیٹ گروپ ہو اسی لحاظ سے طریقۂ تدریس کا استعمال موثر تدریس، موثر استاد کی کارکردگی اور موزوں اکتسابی عمل کے لئے درست ہے۔ مثال کے طور پر سائنسی اور سماجی علوم کے مضامین کے اسباق کے لیے جن مہارتوں اور حکمت عملیوں کا استعمال کیا جائے گا ضروری نہیں کہ زبان کے مضمون یا اس کی مختلف اضاف (نظم، نثر، قواعد، انشا) کے لیے بھی موزوں ہوں۔ اس لیے مضامین اور اسباق کو ذہن میں رکھ کر طریقہ تدریس کی حکمت عملی طے کرنی چاہیے۔

5.4.9 مواد مضمون (متن)

کمرہ جماعت میں ایک تربیت یافتہ استاد مواد مضمون کو دلچسپ بنا کر پیش کرتا ہے۔ مضامین اور اسباق کی موزونیت کا لحاظ رکھتے ہوئے مواد مضمون کو آسان اور ترتیب وار طلبا کے سامنے رکھنا چاہیے۔ طلبا کی ذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے مواد مضمون کی تشریح و توضیح یا خلاصہ بیان کرنا چاہیے۔ سائنسی اور سماجی علوم کے اسباق میں معلومات و تجزیہ پر زور دینا چاہیے جب کہ زبان کے اسباق میں املا، ہجّا، لہجہ، سخن فہمی، تشبیہہ، استعارے، تلمیحات، ضرب المثل، محاورے اور الفاظ و معنی پر زیادہ زور دیا جانا چاہیے۔ اسی لیے زبان کے اسباق میں بلند خوانی اور خاموش خوانی کا مرحلہ بھی آتا ہے تاکہ یہ پتہ لگایا جا سکے کہ بچوں میں پڑھنے کی صلاحیت کتنی پختہ ہے۔

5.4.10 بلند خوانی

زبان کی تدریس میں بلند خوانی کے بغیر یہ پتہ لگانا مشکل ہے کہ طلبا کو عبارت پڑھنے کا سلیقہ ہے کہ نہیں اور کمرہ جماعت میں کتنے طلبا سبق کی عبارت کو

صحیح طریقے سے املا اور ہجّا کو ملحوظ رکھتے ہوئے پڑھ سکتے ہیں۔ بلند خوانی اساتذہ اور طلبا دونوں کی جانب سے ہونی چاہیے۔ بلند خوانی کو عبارت خوانی اور نمونے کی بلند خوانی بھی کہا جاتا ہے۔نظم کے اسباق میں اساتذہ کی جانب سے پہلے بلند خوانی ہونی چاہیے۔ جبکہ نثری اسباق میں بہتر ہے کہ طلبا پہلے بلند خوانی کریں۔ بلند خوانی معتدل آواز میں ہونی چاہیے۔اساتذہ کو بلند خوانی کے دوران یہ خیال رکھنا چاہیے کہ صرف مخصوص طالب علم ہی نہیں بلکہ سبھی طلبا کو بلند خوانی کا موقع فراہم کیا جائے۔انشااور قواعد کے اسباق میں بلند خوانی کی ضرورت نہیں۔

5.4.11 خاموش مطالعہ

حالانکہ خاموش خوانی ر خاموش مطالعہ کا مرحلہ سبق میں اعادہ سے قبل آتا ہے لیکن پیش کش کے زمرے میں بھی اس کی اہمیت مسلّم ہے۔ابتدائی تعلیم کے اولین درجات (اول تا پنجم) میں خاموش خوانی کی بہت زیادہ افادیت نہیں لیکن چھٹی سے بارہویں درجات کی تدریس میں خاموش خوانی کی اہمیت مسلّم ہے۔خاموش خوانی کے لیے پانچ سے سات یا زیادہ سے زیادہ دس منٹ کا وقفہ دیا جانا چاہیے اور استاد یہ ہدایت دے کہ بغیر لب کھولے یا آواز نکالے صرف آنکھوں سے عبارت خوانی کی جائے۔اس سے طلبہ میں مطالعے کی عادت کا فروغ ہوتا ہے۔

5.4.12 رائٹنگ بورڈ اور تدریسی امدادی اشیا کا استعمال

موجودہ زمانے میں تختہ سیاہ کا تصور کم ہونے لگا ہے۔اب تختہ سیاہ سے مراد تختہ سبز اور تختہ سفید (رائٹنگ بورڈ) بھی ہے۔طلبہ کی نفسیات اور بینائی کی افادیت کے پیش نظر اچھے تعلیمی اداروں میں گہرے ہرے رنگ کے چاک بورڈ اور سفید مارکر بورڈ کا استعمال ہونے لگا ہے۔اس کا استعمال طلبہ اور اساتذہ کے ذہن، بینائی اور صحت کے لحاظ سے 'ماحول دوست' ہے۔رائٹنگ بورڈ کا استعمال زبان کی تدریس میں بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔اس کے بغیر زبان کی تدریس مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔پیش کش کے دوران اساتذہ مشکل الفاظ، محاورے، فقرے اور اہم نکات لکھتے جاتے ہیں۔اخذ معنیٰ، جملے کی ساخت اور موزوں رموز و اوقاف بھی رائٹنگ بورڈ کے ذریعے عیاں ہونا چاہیے۔

کسی بھی درسی مضمون کو مزید موثر بنانے اور تدریسی عمل کو تقویت پہنچانے کے لیے تدریسی اشیا ر تدریسی معاونت ر درسی ساز و سامان یا تدریسی امدادی سامان کا موزوں استعمال ضروری ہے۔تدریسی ساز و سامان کا برمحل اور محتاط استعمال تدریس کو بہتر بنانے میں معاون ہوتا ہے۔سبق اور اس میں استعمال کی جانے والی مہارت کے اعتبار سے تدریسی ساز و سامان کا استعمال کیا جانا چاہیے۔اساتذہ کو کوشش کرنی چاہیے کہ Waste Material یعنی فاضل اشیا، سستے اور تعلیمی کام کے لیے موزوں اشیا اور اپنے اردگرد کے ماحول سے دستیاب چیزوں سے تیار کی گئی Teaching Aids یعنی تدریسی ساز و سامان کا استعمال کریں۔تدریسی ساز و سامان میں چارٹ، فلش کارڈ، نقشے، گلوب، تصاویر، ماڈل، کارٹون، چاک، ڈسٹر، پوائنٹر، تختہ سیاہ، وغیرہ آتے ہیں۔دورِ جدید کے تعلیمی امدادی سامانوں میں سمعی و بصری معاونت سے تعلق رکھنے والی تدریسی اشیا استعمال کی جاتی ہیں مثلاً ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیپ ریکارڈر، ٹیلی فلمیں، دستاویزی فلمیں، سلائڈس، سلائڈ پروجیکٹر، کمپیوٹر اور پاور پروجیکٹر وغیرہ۔زبان کی تدریس میں ان کے اسباق کے لحاظ سے مذکورہ تدریسی ساز و سامان میں سے انتخاب کرنا چاہیے۔

5.4.13 جائزہ/موازنہ

منصوبہ سبق کے اس مرحلے میں طلبہ کو سبق کی دشواریوں کو سمجھانے کے لیے چند مثالیں دی جاتی ہیں جن سے طلبہ مثالیں اور حقائق کا موازنہ کرتے ہیں، ان پر غور کرتے ہیں اور نتائج اخذ کرتے ہیں۔ عام طور سے اس مرحلے کا استعمال زبان کے اسباق یا اشارات سبق میں نہیں کیا جاتا بلکہ اس کا خصوصی تعلق سماجی سائنسی اور تکنیکی علوم کے اسباق سے ہے۔ موجودہ زمانے میں زبان کی درسی کتابوں میں ماحولیات اور مختلف مسائل پر مبنی اسباق شامل کیے جا رہے ہیں ان اسباق کو سمجھانے میں اس مرحلے کی بہت حد تک افادیت ہے۔

5.4.14 تعمیم

سبق کے اس مرحلے میں اساتذہ کے ذریعے پیش کش کے تحت دی گئی معلومات اور تجربوں سے حاصل شدہ حقائق کو منظم کرنا ہوتا ہے جس سے معلومات میں ربط پیدا ہوتا ہے اور قاعدوں اور ضابطوں کے ربط سے طلبا علمی رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ اس کا اطلاق خصوصی طور پر سائنس اور ریاضی کے اسباق میں ہوتا ہے۔ لیکن زبان کے اسباق میں قواعد وانشا کی تدریس کے وقت اس سے مدد لی جاسکتی ہے اور طلبہ میں حاصل شدہ قاعدوں، ضابطوں اور نظریوں کو مبسوط کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً بہتر انشا اور املا کے لیے صرف ونحو کا جاننا اور ان کا آپس میں ارتباط ضروری ہے۔ جبکہ صحیح زبان جاننے کے لیے صرف ونحو کا جاننا ضروری ہے۔

5.4.15 اطلاق

اطلاق کے مرحلے میں طلبا حاصل شدہ معلومات اور تربیت کو مختلف مواقع اور متعدد طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ یعنی درجے میں اسباق اور اساتذہ کے ذریعہ حاصل کردہ معلومات اور علوم کو وہ اپنے علمی، ادبی اور مہارتی امور کے لیے تو استعمال کرتے ہی ہیں، اُن علوم کا استعمال معاشرے میں اور اپنی نجی زندگی میں بھی کرتے ہیں مثلاً زبان دانی کی تدریس میں تذکیر، تانیث، واحد، جمع، افعال، صفات، اسما وضمائر اور دیگر شعری صنعتوں کا استعمال تعلیمی کاموں کے ساتھ ساتھ روزانہ زندگی اور اپنی طرز تحریر میں بھی کرتے ہیں۔ اطلاق کے اثر کا اندازہ کسی طالب علم کی شخصیت اور درجہ میں جواب دہی سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ اطلاق کی کامیابی علوم وفنون کا طلبا کے ذہن ودل میں راسخ کر جانا ہے۔ حالانکہ اس کا زیادہ استعمال مشکل مضامین مثلاً ریاضی اور سائنس میں ہوتا ہے لیکن زبان کی تدریس میں قواعد وانشا میں اس کا موزوں استعمال کرنا چاہیے۔

5.4.16 اعادہ

کمرہ جماعت میں اعادہ کا مرحلہ استاد کے طرز تدریس، تدریسی حکمت عملی اور مہارتوں کے استعمال اور طلبا میں اکتسابی عمل کی فوری جانچ ہے۔ اس مرحلے میں سبق کے اختتام پر اساتذہ سبق سے متعلق طلبا سے متعدد چھوٹے بڑے سوالات کرتے ہیں۔ مقصد صاف ہوتا ہے کہ پڑھائے گئے مضمون/متون کو طلبا نے کس حد تک سمجھا؟ دوسرے لفظوں میں اسے طلبا کے فہم وادراک اور اساتذہ کے تدریسی طریقہ کار کی جانچ سمجھنا چاہیے۔ اعادہ کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ دوران تدریس اساتذہ سے کوئی درسی نکتہ چھوٹ جائے تو وہ اس کا اس مرحلے میں اعادہ کرلیں۔ مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اعادہ پڑھائے گئے سبق کے تئیں طلبا اور اساتذہ دونوں کی کارکردگی کا اندازہ لگا کر سبق کو طلبا کے ذہنوں میں پختہ کرنا ہے۔

5.4.17 تفویض کار یا گھر کا کام

گھر کا کام منصوبہ سبق کے مراحل کا کوئی خاص حصہ نہیں ہے۔ پھر بھی کمرہ جماعت اور تدریسی عمل میں اس کی اہمیت مسلّم ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ طلبا پڑھے ہوئے سبق کو گھر جا کر دوبارہ پڑھتے ہیں۔ اس سے ان کی جانکاری پختہ ہو جاتی ہے۔ اس سے اگلے سبق کی تدریس میں طلبا اور اساتذہ دونوں کو مدد ملتی ہے۔ گھر کا کام دیتے وقت اساتذہ طلبا کی دلچسپی، معلومات و تجربات اور اختصار کا خیال رکھیں۔ گھر کے کام کا انحصار مضامین، اسباق اور طریقہ تدریس کی نوعیت پر منحصر ہے۔ گھر کا کام، کے تصور کو بوجھ نہیں سمجھنا چاہیے۔ اسی لیے سوالات چھوٹے اور مختصر جوابی سوالات دیے جائیں۔ اس مرحلے کی افادیت تب ہے جبکہ اساتذہ ہوم ورک کو دوسرے دن چیک کر کے تصحیح کریں اور طلبا کی حوصلہ افزائی کریں۔

5.5 خرد تدریس (Micro Teaching)

تعلیم وتربیت ایک مسلسل عمل ہے لیکن یہ مسلسل عمل ترتیب وار اور قلیل سے طویل کی طرف، خرد سے وسیع کی طرف اور کم معلوم سے زیادہ معلوم کی طرف بتدریج جاری رہے تو اچھے نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔ کسی کام کو احسن طریقہ سے انجام دینے کے لیے بہتر منصوبہ بندی (Planning) کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ تدریسی امور کی انجام دہی میں بھی منصوبہ بندی کی خاص اہمیت ہے۔ تدریسی عمل کو مزید بہتر، کارآمد اور قدرے آسان بنانے کے لیے تعلیمی منصوبہ بندی کی جاتی ہے جس میں سالانہ منصوبہ بندی (yearly plan) اکائی منصوبہ بندی (unit plan) اور منصوبہ سبق (lesson plan) شامل ہیں۔ lesson plan کی بہتر عمل آوری کے لیے مائیکرو منصوبہ سبق کی ضرورت پڑتی ہے۔ مشقی تدریس میں متعلم استاد کو بہت سے مشاہدات کی ضرورت پیش آتی ہے اور وہ ان مشاہدوں کے ذریعے اپنی عملی، علمی اور مشقی خامیوں اور دشواریوں کا اندازہ کر کے ان پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے۔ مائیکرو ٹیچنگ یا خرد تدریسی اسباق کے ذریعے مذکورہ عمل کو بہتر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

انگریزی لفظ مائیکرو (Micro) یونانی زبان سے لیا گیا ہے جس کے لغوی معنیٰ نہایت چھوٹا یا خرد ہوتا ہے۔ (بعض لوگ اسی ''خرد'' کو ''خورد'' لکھ جاتے ہیں جو صحیح املا نہیں ہے) خرد تدریس (Micro Teaching) کا تصور تعلیمی میدان میں بہت پرانا نہیں ہے لیکن اب تقریباً ہر سطح کے اساتذہ کی تربیت میں استعمال کی جاتی ہے۔ اس تدریس کے ذریعے متعلم استاد کو اصلی تدریسی مشق (Actual teaching practice) سے قبل مختلف مہارتوں کی تربیت اور طریقہ استعمال ''Micro Teaching'' کے ذریعہ فراہم کرایا جاتا ہے۔ مائکرو ٹیچنگ کا استعمال سب سے پہلے امریکہ میں Stanford University کے ذریعہ 1963ء میں کیا گیا۔ اور اس کے بعد تدریس ہی نہیں زندگی کے کئی شعبوں میں بھی اس کا استعمال کیا جانے لگا۔

یوں تو مائیکرو ٹیچنگ یا خرد تدریس کی تعریف بہت سے ماہرین تعلیم نے کی ہے تاہم چند ماہرین تعلیم نے مختصر مگر جامع تعریف پیش کی ہے جن میں D. W. Allen، B. K . Passi and M. S. Lalita، Ajit Singh and N. K. Jangira کی تعریف اساتذہ کی تدریس کے لئے ہندوستانی پس منظر میں نہایت موزوں ہے۔

*Micro-Teaching is a scaled down teaching encounter in class size and time. D. W. Allen (1966)

*Micro-Teaching is a training technique which requires student, teachers to teach a single

concept using specified teaching skill to a small number of pupils in a short duration of time. B. K. Passi and M. S. Lalita (1976)

*Micro-Teaching is a training setting for the student teacher where complexities of the normal class room teaching are reduced by practising one component skill at a time, limiting the content to a single concept, reducing the size to 10 - 15 pupils and reducing the duration of lesson to 5 - 10 minutes. N. K. Jangira and Ajit Singh (1982)

ہندوستان میں کئی اداروں اور سطحوں پر اس تدریسی تکنیک کا استعمال پچھلی صدی کی ساتویں دہائی سے کیا جا رہا ہے اس تدریسی تکنیک کو تدریس میں ایک آلہ کار کی طرح استعمال کیا جاتا ہے جس میں سمعی بصری آلات (Audio-Visual Aids) Tape recorder, CCTV, کے ذریعے اس کو مزید تقویت پہنچائی جاتی ہے۔ ہندوستان میں اسکولی تعلیم اور اساتذہ کی تربیت کے فروغ کے لئے اور اس ضمن میں مزید تحقیق کرنے کے لئے 'NCERT' کا قیام عمل میں آیا تھا۔ 'NCERT' نے مائیکرو ٹیچنگ کے ضمن میں کئی رہنما اصول (گائیڈ لائن) فراہم کیے ہیں۔ یہ گائیڈ لائن ہمارے ملک میں موجودہ تعلیمی و تربیتی اداروں کی صورت حال اور ان کے انفرا اسٹرکچر کے عین مطابق ہے۔ 'NCERT' نے اس صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے مائیکرو ٹیچنگ کے ضمن میں جن نکات کا ذکر کیا ہے ان میں ہندوستانی خرد تدریس ماڈل میں تکنیک اور الیکٹرانک سامان پر حتی الامکان کم انحصار کیا جائے۔ ادارے میں دستیاب بنیادی ڈھانچہ مثلاً جگہ، تدریسی مواد اور تدریسی ساز و سامان کو خرد تدریس کے تجربہ گاہ کے طور پر استعمال کیا جائے۔

1 خرد تدریس کے دوران اگر مطلوبہ درجات کے طلبا میسر نہ ہوں تو ان کی جگہ پر متعلم اساتذہ کا ہی استعمال کیا جائے۔

1 خرد تدریس کے ماڈل lesson کے دوران مشاہدین (observers) مقرر کیے جائیں۔ ان مشاہدین میں متعلم اساتذہ کو بھی رکھا جا سکتا ہے جو اپنے ساتھیوں کی کارکردگی کا مشاہدہ کریں اور ان کا ریکارڈ تیار کر کے feedback دے سکیں۔

1 ہمارے ملک میں خرد تدریس کا ماڈل لچک دار ہے اس لئے جہاں اور جن اداروں میں جیسی سہولیات دستیاب ہوں وہاں اسی طرح سے خرد تدریس کو کام عمل میں لایا جائے۔ یوں تو خرد تدریس کا مکمل عمل "35" سے "50" منٹ کے وقفے پر رکھا جاتا ہے لیکن "NCERT" کے مطابق اس کا وقفہ دورانیہ 36 منٹ کی سائیکل پر ترتیب دیا گیا ہے۔

1) منصوبہ (Plan) 6 منٹ

2) تدریس (teach) 6 منٹ

3) بازرسانی (Feed back) 6 منٹ

4) مکرر منصوبہ (re plan) 6 منٹ

5) مکرر تدریس (re teach) 6 منٹ

6) مکرر بازرسانی (re feedback) 6 منٹ کل وقفہ/ دورانیہ 36 منٹ

مائیکروٹیچنگ سائیکل

خردتدریس کی منصوبہ بندی کے بعد اس کے مقاصد کے حصول کے لیے جو اقدامات کیے جاتے ہیں ان میں متعلم استاد کو دوران تدریس پیش آنے والی مشکلات کو اس کے ذریعے کم کرنا۔

متعلم استاد کی تدریسی خامیوں کو پہچان کر معلوماتی ردعمل کے ذریعے اس کے طرز تدریس کو مفید بنانا۔

اور متعلم استاد کے طریقہ تدریس کو ہدایتی طرز عمل اور نگرانی و مشاورت کے ذریعے بہتر بنانا شامل ہے۔

مذکورہ مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے خردتدریس کی مندرجہ ذیل خصوصیات کا سہارا لیا جاتا ہے۔

5.5.1 خردتدریس کی خصوصیت

1. خردتدریس متعلم استاد کے لیے ایک تربیتی تکنیک ہے تدریسی طریقہ کار نہیں۔

2. خردتدریس حقیقی تدریس کی ایک شکل ہے اور اس کو تقویت پہنچاتی ہے جبکہ اس کے لیے جو صورت حال (situation) بنائی جاتی ہے وہ عام طور سے فرضی ہوتی ہے۔

3. خردتدریس میں متعلم استاد کو اس وقت تک ایک ہی مہارت کا اعادہ کرنا چاہئے جب تک اس کے استعمال میں وہ پختہ کار نہ ہو جائے۔

4. خردتدریس حقیقی تدریس کی پیش رو تکنیک ہے یعنی اس میں طلبا، وقت اور مواد کی ایک قلیل سطح رکھ کر تدریس کی کسی ایک مہارت کے تصور کو بہتر ڈھنگ سے استعمال کرنے کی مشق کی جاتی ہے۔

5. خردتدریس کی مشق طے شدہ ماڈل (جس کا اوپر ذکر کیا گیا) کے تحت ہوتی ہے مثلاً منصوبہ بندی، تدریس، feedback دوبارہ منصوبہ بندی۔ دوبارہ تدریس اور re feedback

6. خردتدریس حقیقی تدریس کا متبادل نہیں ہے بلکہ اساتذہ کے تربیتی پروگرام کا لازمی جز ہے۔

7. خردتدریس متعلم استاد کو تعلیمی و تدریسی مسائل سے آگاہ کرتی ہے اور ان کا حل تلاش کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔

8. خردتدریس میں سمعی و بصری آلات (audio visual aids) نیز cctv کی مدد سے مشاہدہ بالکل بے عیب (perfect) ہوتا ہے۔

9. خردتدریس کے ذریعے متعلم استاد تدریسی مشق کے بعد مشاہدین کے ذریعہ Feedback حاصل کرتا ہے۔ خردتدریس کی مکمل کامیابی کے لیے ذیل کے مراحل سے گزرنا نہایت ضروری ہے۔

خرد تدریس کے مقاصد کے حصول اور ان کے مراحل کی کامیابی خرد تدریس کے مشقی اسباق کے ذریعے استعمال کی جانے والی مہارتوں کے بہتر استعمال میں مضمر ہے۔طریقہ تدریس کے جدید تقاضوں اور اس زمرے میں ہونے والی تحقیقات کی روشنی میں خرد تدریس کی مشق میں متعدد مہارتیں استعمال کی جانے لگی ہیں لیکن ان سبھی طرح کی مہارتوں کا بخوبی استعمال زبان وادب کی تدریس میں مشکل ہے لہٰذا یہاں ان ہی چند مہارتوں (skills) کا ذکر کیا جائے گا جن کا زیادہ سے زیادہ اور بہتر استعمال اردو زبان کی تدریس میں خرد تدریس کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔

1) تمہید کی مہارت skill of introduction
2) سوالات کی مہارت skill of questioning
3) تشریح وتوضیح کی مہارت skill of explaining
4) تکمیلی ترسیل کی مہارت skill of completeness of communication
5) سمعی وبصری آلات کی مہارت skill of audio visual aids
6) تختہ سیاہ کی مہارت skill of black board
7) مہیج کی مہارت skill of stimulus variation
8) تقویت کی مہارت skill of reinforcement
9) تفویضات کی مہارت skill of assignment
10) مظاہراتی مہارت skill of lecturing

عزیز طلبا جیسا کہ اب تک آپ نے مائیکرو ٹیچینگ کے مقاصد طریقہ کار اور ضرورت کا مطالعہ کیا۔ بتایا جا چکا ہے کہ خرد تدریس اپنے آپ میں ایک تدریسی مرحلہ ہے۔لیکن یہ مرحلہ اصل مشق کی تدریس کے مرحلہ سے الگ اور مختلف ہے۔اس لیے بہتر ہے کہ پہلے خرد تدریس کے طریقہ کار کے بعد اس کے منصوبے کا نمونہ (ماڈل لیسن پلان) سے آپ متعارف کرایا جائے۔ یوں تو بہت سی مہارتوں کے الگ الگ استعمال کے لیے لیسن پلان تیار کیا جاتا ہے۔ لیکن اگلے صفحات میں اردو زبان وادب کی مشقی تدریس میں زیادہ استعمال ہونے والی مہارتوں،تمہیدی گفتگو،سوال پوچھنا،تشریح وتوضیح،شعوری تحریک کا تنوع اور تقویت کی مہارت کے ماڈل لیسن کا خاکہ دیا گیا ہے۔ضروری نہیں کہ یہ سبھی درجات اور عنوانات کے لیے یکساں مفید ہوں۔لیکن آپ کو ان سے کافی مدد ملے گی۔

5.5.2 خرد تدریس کا منصوبہ سبق (ماڈل لیسن پلان)

منصوبہ سبق نمبر- 1

ماڈل منصوبہ سبق برائے خرد تدریس۔مہارت تمہیدی گفتگو
Skill of Introduction

متعلم استاد کا نام	:	اب ج د	تاریخ	:	00.00.00
ادارہ	:	شعبہ تعلیم وتربیت	جماعت	:	نویں
مضمون	:	اُردو	وقفہ	:	6منٹ
عنوان	:	نثر	ذیلی عنوان	:	خطوطِ غالبؔ

متعلم استاد کی سرگرمیاں	طلبا کی سرگرمیاں	تکنیک رمہارت کے استعمال شدہ عناصر
غالبؔ اُردو، زبان کا بے حد معروف ومقبول شاعر اور ادیب ہے۔	سَر۔ کیا غالبؔ شاعر کے ساتھ ساتھ ادیب بھی تھے؟	
ہاں بچو! اُردو ادب میں کئی ایسی شخصیتیں ہیں جو بیک وقت شاعر بھی ہیں اور نثر نگار بھی۔اُن ہی میں ایک اہم شخصیت مرزا غالبؔ کی بھی ہے۔مرزا غالبؔ کئی تخلص والقاب سے یاد کئے جاتے ہیں' مثلاً اسداللہ، مرزا نوشہ، غالبؔ، دبیر الملک وغیرہ۔	جناب۔ یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن ہم نے تو مرزا غالبؔ کی صرف غزلیں ہی پڑھی ہیں۔	غالبؔ کی تصویر دکھائی جائے
کیا آپ لوگوں نے مرزا غالب کی حیات پر مبنی سیریل ''مرزا غالبؔ'' دیکھی ہے؟	جی سر۔وہ نصیر الدین شاہ والی۔	
!وہی کیا آپ نہیں جانتے کہ غالبؔ سے پہلے بلکہ اُن کے ہمعصروں نے بھی اُردو نثر لکھنا یا' اُردو میں خط لکھنا اپنی توہین سمجھا جب کہ غالبؔ نے خطوط نگاری کے فن کا بہتر ین نمونہ پیش کیا جس کا جواب آج بھی نہیں۔	سر۔آخر ان کی خطوط نگاری میں کیا خوبی تھی۔	سلائیڈ پروجکٹر یا L.C.D کے ذریعے نصیر الدین شاہ والا سیریل Serial ''مرزا غالب'' کا Title Page یا پوسٹر دکھایا جائے۔
لیجئے اُن ہی کی زبان میں سنئے' کہتے ہیں''میں نے مراسلے کو مکالمہ بنادیا ہے''۔یعنی انہوں نے ایسے خطوط لکھے ہیں جیسے کہ اپنے مخاطب سے بات کر رہے ہوں۔	سر۔ یہ تو بہت بڑی خوبی ہے۔اُن کے خطوط تو مزے دار ہوں گے۔	
چلئے تو آج ہم مرزا غالبؔ کے ایک خط کا مطالعہ کرتے ہیں	جی سر!	غالبؔ کا خط میر مہدی مجروح کے نام

منصوبہ سبق نمبر- 2

ماڈل منصوبہ سبق برائے خرد تدریس۔مہارت سوال پوچھنا

Skill of Questioning

متعلم استاد کا نام : اب ج د		تاریخ : 00.00.00

ادارہ : شعبہ تعلیم وتربیت		جماعت : آٹھویں

مضمون : اُردو		وقفہ : 6 منٹ

عنوان : نظم		ذیلی عنوان : ''آدمی نامہ''

متعلم استاد کی سرگرمیاں	طلبا کی سرگرمیاں	تکنیک/مہارت کے استعمال شدہ عناصر
!اب تک آپ نے اپنی درسی کتاب کی کتنی نظمیں پڑھی ہیں؟	جناب، تین نظمیں۔	
آپ کو یاد ہیں کہ وہ نظمیں کن شعرا کی ہیں؟	پہلا بچہ: سر! علامہ اقبال دوسرا بچہ: سر! سکندر علی وجد تیسرا بچہ: سر! تلوک چند محروم	تینوں شعرا کی تصویریں دکھائی جائیں گی
کیا آپ جانتے ہیں کہ ان نظم نگاروں سے پہلے بھی کوئی نظم نگار شاعر گزرا ہے؟	نہیں سر۔	
اچھا یہ بتاؤ نظم ''آدمی نامہ'' کس نے لکھی ہے؟	سر! نظیر اکبرآبادی نے	نظیر اکبرآبادی کی تصویر لگائی جائے گی
نظم ''آدمی نامہ'' میں شاعر نے آدمی کی کن خوبیوں کا ذکر کیا ہے؟	نہیں سر۔ہمیں سب معلوم نہیں۔	
اچھا یہ بتاؤ رتبہ کے لحاظ سے آدمی کتنے طرح کے ہوتے ہیں؟ دولت مند لوگ بھی تو ہوتے ہیں؟ اس کے علاوہ کئی پیشے کے لوگ بھی تو ہوتے ہیں؟ ہاں ہاں اسی طرح نظیر نے انسانوں کی اور کتنی قسمیں بتائی ہیں؟	دو طرح کے۔بادشاہ اور غلام۔محمودؔ ایاز ہاں سر! جیسے امبانی برادران جی سر! کسان، مولوی صاحب، کاری گر، امام اور چور وغیرہ	فلپ چارٹ کا استعمال کیا جائے گا جس میں مختلف پیشے کے انسانوں کی تصویریں ہوں گی
اچھا یہ بتائیے نظیر نے لعل و جواہر سے آدمی کی مثال کیوں دی ہے؟	کیونکہ آدمی کی جان بہت قیمتی ہوتی ہے۔	
اچھا یہ بتاؤ ''جان وارنا'' کیا ہے؟	سر! یہ ایک محاورہ ہے۔	
اس کا کیا مطلب ہوتا ہے؟	دوسرا بچہ: سر۔اس کا مطلب کسی دوسرے پر جان قربان کرنا۔	

منصوبہ سبق نمبر- 3

ماڈل منصوبہ سبق برائے خرد تدریس۔مہارت تشریح و توضیح

Skill of Explaining

متعلم استاد کا نام : اب ج د تاریخ : 00.00.00

ادارہ : شعبہ تعلیم و تربیت جماعت : نویں

مضمون : اُردو وقفہ : 6منٹ

عنوان : نظم ذیلی عنوان : '' قصیدہ ''

متعلم استاد کی سرگرمیاں	طلبا کی سرگرمیاں	تکنیک رمہارت کے استعمال شدہ عناصر
!اس سے قبل کی کلاس میں ہم نے نظم کی مشہور صنف ''غزل'' سے متعلق گفتگو کی تھی۔ کیا آپ نظم کی دوسری اصناف کے متعلق بھی جانتے ہیں؟	جی جناب' نظم کی صنف میں مثنوی' مرثیہ اور رباعی بھی آتی ہیں۔	
ٹھیک ہے' کیا اِن کے علاوہ بھی کوئی صنف نظم ہوتی ہے؟	جی سر۔ وہ نظم کی صنف ہے ''قصیدہ'' اور جدید نظم۔	
'قصیدہ' کس نظم کو کہتے ہیں' آپ لوگوں کو معلوم ہے؟	نہیں سر۔ مُجھے تو صرف نام معلوم ہے۔	
ٹھیک ہے' آج ہم ''قصیدہ'' کے متعلق مزید جانکاری حاصل کریں گے۔	سر! بہتر ہے۔	قصیدے کے معروف و مشہور شعرا کی تصویریں دکھائی جائیں۔

بچّو ! قصیدہ، غزل کے بعد سب سے زیادہ مقبول صنف سُخن رہی ہے۔ قصیدہ کے لغوی معنٰی : مغز یا گودا کے ہوتا ہے، اصطلاح میں اُس نظم کو ''قصیدہ'' کہتے ہیں جس میں کسی کی تعریف کی گئی ہو یا پھر ہجو یا شکایت کی گئی ہو۔ ہجو کے معنی شکایت یا برائی یا تضحیک کرنے کے ہیں۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ۔ کسی زمانے کی شکایت میں بھی قصیدہ لکھے جاتے ہیں۔ قصیدے میں بڑی شاندار تشبیہات و استعارات والے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ شاعر کا زورِ بیان اور مضمون کی بلندی قصیدے کی خوبی ہے۔ قصیدے میں اشعار کی تعداد کم سے کم 15 اور زیادہ سے زیادہ ایک سو پچاس متعیّن کی گئی ہے۔	سر ! یہ ہجو کیا ہوتی ہے؟	لغوی معنی۔ لغت سے لیا گیا اصطلاح۔ جو معنی اس صنف میں رائج ہوں اور نام لیتے ہی ذہن اس صنف سخن کی طرف مائل ہو جائے۔
ہاں لمبی تو ہے مگر مثنوی میں اشعار کی تعداد متعین نہیں لیکن قصیدے کے اشعار کی تعداد متعین ہے۔ ''غزل'' کی طرح ہی قصیدے کا پہلا شعر بھی مطلع کہلاتا ہے۔ قصیدے کے اجزائے ترکیبی میں مطلع، تشبیب، گریز، مدح اور دعاء یا مدّ عا عام طور سے شامل کیے جاتے ہیں۔	سر ! یہ نظم بھی مثنوی کی طرح ہو گئی؟ ! یہ تو بہت اچھّا ہوا کہ ہم نے آج نظم کی ایک نئی صنف کے متعلق اچھی جانکاری حاصل کی۔	قصیدے کے اشعار کی تعداد 15 سے 150 تک۔
چلو بہتر ہے اگلی کلاس میں کسی اور صنف سے متعلق باتیں کریں گے۔		

منصوبہ سبق نمبر- 4

ماڈل منصوبہ سبق برائے خرد تدریس۔مہارت مہیج رشعوری تحریک کا تنوع

Skill of Stimulus Variation

متعلم استاد کا نام	:	اب ج د	تاریخ	:	00.00.00
ادارہ	:	شعبہ تعلیم وتربیت	جماعت	:	نویں
مضمون	:	اُردو	وقفہ	:	6 منٹ
عنوان	:	قواعد	ذیلی عنوان	:	اسم تعداد ''عدد''

متعلم استاد کی سرگرمیاں	طلبا کی سرگرمیاں	تکنیک رمہارت کے استعمال شدہ عناصر
بچّو! آپ کیسے ہیں؟	سر! ہم لوگ بہت اچھے ہیں آپ کیسے ہیں؟	
اچھا یہ بتایئے کے آج کتنے بچے غیر حاضر ہیں؟	سر! آج تین بچے غیر حاضر ہیں۔	حاضر۔ 32 غیر حاضر۔03 کل طلبہ۔35
کل کتنے غیر حاضر تھے؟	صرف ایک	
چلو ٹھیک ہے' کیا آپ جانتے ہیں کہ ایک کو قواعد کی زبان میں کیا کہتے ہیں؟ (استاد ایک اُنگلی کا اشارہ کرے گا)۔	سر! ایک کو' Singular' کہتے ہیں۔	فلپ چارٹ کا استعمال کیا جائے ایک انگلی کی تصویر
ارے بھئی! یہ تو انگریزی ہوئی' اُردو میں کیا کہتے ہیں؟	سبھی بچّے اُستاد کی طرف دیکھتے ہیں۔	
'ایک' کو اُردو میں 'واحد' کہتے ہیں۔ پچھلے ہفتے آپ نے 'اسم' کی قسمیں پڑھی تھیں اس میں ایک قسم ''اسمِ عدد'' بھی تھی۔	جی سر! لیکن بات سمجھ میں نہیں آئی۔	
اچھا میں سمجھا تا ہوں۔ میری طرف دیکھیے (اُستاد ایک ہاتھ کی ایک اُنگلی اور دوسرے ہاتھ کی دو اُنگلیاں سامنے کرتا ہے)		ایک انگلی۔ ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کی دو انگلیوں کی تصویر

دیکھئے' اُردو قواعد میں اسم تعداد کی رو سے 'ایک' کو 'واحد' اور 'ایک' سے زیادہ کو ''جمع'' کہتے ہیں۔ (اُستاد دو انگلیوں والے ہاتھ کے اشارے کو تین اُنگلیاں کرلیتا ہے)	سر! تین کو بھی جمع کہتے ہیں۔	تین انگلیوں کی تصویر
!ہاں! ایک سے زائد سبھی عدد کو جمع ہی کہتے ہیں' مثلاً (استاد چند اسما کے نام لے گا' ان کی طرف اشارے کرے گا اور رائٹنگ بورڈ پر لکھتا جائے گا) کتاب = کتابیں لڑکا =لڑکے طالب علم =طلبا کمرہ = کمرے		فلپ چارٹ کے ذریعے ان چیزوں کی تصویریں دکھائی جائیں
یہ سب واحد جمع کی مثالیں ہیں	بہت بہتر' سر	
واحد سے جمع بنانے کی بہت اچھی اچھی ترا کیب ہیں۔آپ لوگ اپنی کاپی میں کر کے دیکھیے میں رائٹنگ بورڈ پر چند اشارے بتا تا ہوں۔ (اُستاد 'لڑکا' کی اَلف کو 'ے' سے بدلتا ہے 'بچہ' سے 'ہ' کو 'ے' سے بدلتا ہے)	یہ تو بڑا اچھا طریقہ ہے سر!	فلپ چارٹ میں جمع بنانے کی ترکیب کی تصویر واشارے ''ا'' کو ''ے'' سے بدل کر
!واحد سے جمع بنانے کے اور بھی کئی طریقے ہیں جس پر ہم اگلی کلاس میں بات کریں گے	شکریہ! سر۔	

منصوبہ سبق نمبر- 5

ماڈل منصوبہ سبق برائے خرد تدریس۔تقویت کی مہارت

Skill of Reinforcement

متعلم استاد کا نام	:	اب ج د	تاریخ	:	00.00.00
ادارہ	:	شعبہ تعلیم و تربیت	جماعت	:	نویں
مضمون	:	اُردو	وقفہ	:	6منٹ
عنوان	:	نظم	ذیلی عنوان	:	’’ قصیدہ ‘‘

متعلم استاد کی سرگرمیاں	طلبا کی سرگرمیاں	تکنیک رمہارت کے استعمال شدہ عناصر
اچھا بچو کل ہم نظم کی کسی صنف پر بات کر رہے تھے(استاد طلبہ کے جواب کو رائٹنگ بورڈ پر نوٹ کر دے گا)	سر! نظم کی مشہور صنف قصیدہ پر گفتگو ہو رہی تھی	’’قصیدہ‘‘
ٹھیک ہے کیا آپ میں سے کوئی قصیدے کی تعریف بیان کرسکتا ہے۔(استاد جواب دینے والے طالب علم کے پاس جائے گا۔اسے بغور پر مسرت نظر سے دیکھے گا اور کہے گا‘ بہت اچھا اور اس کی پیٹھ تھپتھپائے گا)	دوسرا طالب علم۔ہاں جناب قصیدہ کے لغوی معنی مغز یا گودا ہوتا ہے لیکن اصطلاح میں اس نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی کی تعریف یا تضحیک بیان کی گئی ہو۔	قصیدے کے دونوں معنی (لغوی و اصطلاحی) لکھے جائیں گے۔
بہتر ہے۔اچھا میں بورڈ پر اس کے دو اجزا لکھتا ہوں‘ عامر تم بتاؤ کیا یہ ٹھیک ہے	سر ایک تشبیب ہے اور دوسرا گریز ہے۔	
بہت اچھا(استاد: شاباش!تم نے بالکل صحیح جواب دیا)لیکن کیا کوئی اس کے باقی اجزا بھی بتا سکتا ہے؟	دوسرا شاگرد۔جی ہاں اس کے دوسرے اجزائے ترکیبی ہیں مدح اور دعا۔	
اچھا میں قصیدے کے اجزائے ترکیبی ترتیب وار لکھتا ہوں آپ سبھی اسے بہ آواز بلند پڑھیئے اور نوٹ بک میں لکھیئے	سر! بہت بہتر	اجزائے ترکیبی ترتیب وار لکھے جائیں گے تشبیب‘ گریز‘ مدح‘ مدعا‘ دعا

5.6 اشارات سبق (Lession Plan)

عزیز طلبا آپ پچھلے صفحات میں منصوبہ سبق ان کے مقاصد طریقہ کار اوران کے عناصر و نکات کے متعلق معلومات حاصل کر چکے ہیں۔ مشقی تدریس کے دوران اور آپ کی عملی تدریس یعنی کمرہ جماعت میں اصل تدریس کے دوران آپ کو اشارات سبق تیار کر کے جانا چاہیے۔ تاکہ تدریسی مقاصد کو بہتر طریقے سے حاصل کر سکیں۔ یہی نہیں اشارات سبق اساتذہ اور طلبا دونوں کے لیے اس لیے بھی ضروری ہیں کہ ان سے وقت کی بچت ہوتی ہے، اساتذہ تدریسی نکات پر زیادہ سے زیادہ توجہ دیتے ہیں اور مقررہ وقت میں آموزش کی تکمیل کی جاسکتی ہے۔ آپ کی سہولت کے لیے گزشتہ صفحات میں اشارات سبق کے پانچ نمونے دیے گیے ہیں امید ہے کہ ان نمونوں کو سامنے رکھ کر آپ اپنے درسی مقاصد کو بہتر ڈھنگ سے حاصل کر سکتے ہیں۔ یہاں صرف نثر، نظم، غزل، قواعد اور انشا کے اشارات سبق کی نمونے دیے گئے ہیں۔ واضح ہو کہ اسباق اور عنوانات کو سامنے رکھ کر ان میں تھوڑی بہت تبدیلی کی جاسکتی ہے۔ لیکن خاکے تبدیل نہ ہوں اس کا خیال رکھیے۔

5.7 یاد رکھنے کے نکات

منصوبہ بندی تدریسی عمل کی اساس ہے۔ اس کے بغیر درس و تدریس کا عمل مکمل نہیں اور نہ ہی طلبا میں آموزش کا کوئی امکان، سبق کی کامیابی اور مقاصد کے حصول کے لیے بہتر منصوبہ بندی کلید کی حیثیت رکھتی ہے۔ منصوبہ بندی سے طلبا اور اساتذہ دونوں کا وقت بچایا جاسکتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی وجہ سے طلبا کی تفہیم اور اکتسابی صلاحیت میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ اردو زبان کی تدریس میں مختلف درجات کے لیے اور متعدد اصناف ادب کے لیے ان کی ضروریات کے پیش نظر منصوبہ سبق تیار کیا جاتا ہے۔ ثانوی جماعتوں میں اشارات سبق تیار کرتے وقت زبان سے زیادہ ادب پر توجہ کی جانی چاہیے۔ صرف نثر و نظم کے لیے ہی نہیں بلکہ قواعد و انشا کی تدریس کے لیے اشارات سبق تیار کرنا نہایت ضروری ہے۔ سبق کی منصوبہ بندی میں تین مراحل سبق کے مقاصد کا تعین، موزوں طریقہ تدریس کا انتخاب اور تدریس زبان کی اہم مہارتوں کا انتخاب خاص حیثیت رکھتے ہیں۔ سبق کی منصوبہ بندی میں تیاری، پیش کش، موازنہ، تعمیم، اطلاق، اعادہ، تمہید، طریقہ تدریس، مواد مضمون، بلند خوانی، خاموش خوانی، تدریسی امدادی اشیا کا استعمال، رائٹنگ بورڈ کا استعمال وغیرہ نکات پر خاص خیال رکھنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ اعادہ اور تفویض کار یا گھر کے کام کے نکات بھی اہمیت کے حامل ہیں۔

اصل تدریسی عمل کے قبل خرد تدریسی عمل یا Micro Teaching کے عمل سے گزرنا طلبا کی مہارت کے لیے بہتر ثابت ہوتا ہے۔ Micro Teaching کے دوران اگر مطلوبہ درجات کے طلبا میسر نہ ہوں تو ان کی جگہ متعلم اساتذہ کا استعمال بھی کیا جاسکتا ہے۔ خرد تدریس کے ماڈل لیسن کے دوران مشاہدین مقرر کیے جانے چاہئیں۔ خرد تدریس کا ماڈل لچکدار ہونا چاہیے اور جہاں جیسی سہولیات دستیاب ہوں ان ہی کو کام میں لانا زیادہ موزوں اور بہتر ہے۔ اس کا پورا دورانیہ تیس سے پچاس منٹ کا ہونا زیادہ بہتر ہے۔ یعنی ہر اقدام پر چھ سے دس منٹ صرف کیے جائیں۔ متعلم استاد کے طریقہ تدریس کو ہدایتی طرز عمل اور نگرانی اور مشاورت کے ذریعے بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ خرد تدریس متعلم استاد کے لیے ایک تربیتی تکنیک ہے اور اسے تقویت پہنچاتی ہے۔ اس میں ایک ہی مہارت کا اعادہ کرنا بہتر ہوتا ہے جب تک کہ وہ اس میں پختہ کار نہ ہو جائیں۔ خرد تدریس کے منصوبے میں تدریس بعد رسانی مکرر منصوبہ، مکرر تدریس، مکرر بعد رسانی اور پھر منصوبہ بندی کے نکات شامل ہیں۔ خرد تدریس میں سمعی بصری آلات اور سی سی ٹی وی کی مدد سے مشاہدے کو Perfect بنایا جاسکتا ہے۔ خرد

تدریس میں بہت سی مہارتیں استعمال کی جاتی ہے جن میں تمہید، سوالات، تشریح وتوضیح، تکمیلی ترسیل، سمعی بصری آلات، تختہ سیاہ، تقویت اور تفوضات کے استعمال کی مہارت خصوصی حیثیت رکھتے ہیں۔اس اکائی میں خرد تدریس کے منصوبہ سبق اور اصل تدریس کے اشارت سبق کے ماڈل دیے ہوئے ہیں جن سے آپ خاطر خواہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔اسی اکائی میں تدریسی امدادی سامان میں سمعی وبصری وسائل کی قسمیں اور ان کے استعمال کے طریقہ کار بتائے گئے ہیں جن کے ذریعے اپنی تدریس کو موثر بنا سکتے ہیں۔سمعی وسائل میں ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر اور عوامی خطاب کے وسائل شامل ہیں جبکہ بصری وسائل میں رولر بورڈ، رائٹنگ بورڈ، چوک، ڈسٹر، فلم سلائڈ اوور ہیڈ پروجیکٹر، ماڈل، گلوب، چارٹ، نقشہ، خاکہ، اشتہار، کارڈ اور الیسٹریشن وغیرہ کو شامل کیا جاسکتا ہے۔

5.8 فرہنگ

الفاظ	معنی
مشیر	مشورہ دینے والا، مصاحب، صلاح کار
تعمیم	عام کرنا، سب کو شامل کرنا
اطلاق	رواں کرنا، جاری کرنا، کہنا، بولا جانا
تلمیحات	علم بیان کی اصطلاح میں کسی واقعہ کا کلام میں اشارہ کرنا
تصحیح	صحیح کرنا، غلطی دور کرنا، املا یا انشا کی درستی، اصل اور نقل کا مقابلہ
بازرسانی	فیڈ بیک
مدح	تعریف، ثناخوانی
ذوق سلیم	اچھا ذوق، خاموش طبیعت، اچھی عادت والا
تحسین	نیکی کے ساتھ نسبت، سراہنا، تعریف کرنا

5.9 اپنی معلومات کی جانچ

1 منصوبہ سبق کے افادی پہلو کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

2 سبق کی منصوبہ بندی کے مراحل بیان کیجیے۔

3 ایک اچھے منصوبہ سبق کے نکات کیا کیا ہونے چاہئیں۔

4 کمرہ جماعت میں تدریسی امدادی اشیا کا استعمال کب کیا جانا بہتر ہے؟

5 بلند خوانی اور خاموش خوانی کی خصوصیات بیان کیجیے۔

6 خردتدریس کی اہمیت وافادیت پر نوٹ لکھیے۔

5.10 سفارش کردہ کتابیں

1 انعام اللہ خان شیروانی، تدریس اردو، مارکوئس اسٹریٹ، کلکتہ (2003)۔

2 ریاض احمد، اردو تدریس، جدید طریقے اور تقاضے، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، نئی دہلی (2013)۔

3 شفیع احمد صدیقی، اردو زبان وقواعد (حصہ اول/دوم) مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، نئی دہلی (1988)۔

4 محمد اختر صدیقی، تدریسی آموزشی حکمت عملیاں، شعبہ تعلیم، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی (2004)۔

Model Question Paper / نمونہ امتحانی سوالات

پرچہ : تدریسیات اردو

Paper - BBED121DST : Pedagogy of a School Subject (MOT-II) Part-I (Urdu)

جملہ نشانات : 70 Maximum. Marks | Time : وقت : 3 Hrs گھنٹے

ہدایات:

یہ پرچہ سوالات تین حصوں پر مشتمل ہے: حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم۔ ہر جواب کے لیے لفظوں کی تعداد اشارۃ ہے۔ تمام حصوں سے سوالوں کا جواب دینا لازمی ہے۔

1. حصہ اول میں 10 لازمی سوالات ہیں جو کہ معروضی سوالات/ خالی جگہ پُر کرنا/مختصر جواب والے سوالات ہیں۔ ہر سوال کا جواب لازمی ہے۔ ہر سوال کے لیے 1 نمبر مختص ہے۔ (10 x 1 = 10 Marks)

2. حصہ دوم میں 8 سوالات ہیں، اس میں سے طالب علم کو کوئی پانچ سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباً دوسو (200) لفظوں پر مشتمل ہے۔ ہر سوال کے لیے 6 نمبرات مختصر ہیں۔ (5 x 6 = 30 Marks)

3. حصہ سوم میں 5 سوالات ہیں۔ اس میں سے طالب علم کو کوئی تین سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباً پانچ سو (500) لفظوں پر مشتمل ہے۔ ہر سوال کے لیے 10 نمبرات مختص ہیں۔ (3 x 10 = 30 Marks)

حصہ اول

سوال : 1

(i) ہندوستانی آئین میں اردو زبان کو کس شیڈیول میں رکھا گیا ہے؟

(A) شیڈول پانچ

(B) شیڈول چھ

(C) شیڈول سات

(D) شیڈول آٹھ

(ii) ہندوستان کی کس ریاست میں اردو کو پہلی ریاستی زبان کا درجہ حاصل ہے۔

(A) کشمیر

(B) بہار

(C) بنگال

(D) ان میں کوئی نہیں

(iii) فورٹ ولیم کالج کو جان گلکرسٹ نے کب قائم کیا؟

(A) 1946

(B) 1956

(C) 1920

(D) 1800

(iv) جس نظم میں مدح یا مذمت کی جائے اس نظم کو کہتے ہیں۔

(A) قصیدہ

(B) مرثیہ

(C) رباعی

(D) غزل

(v) اردو زبان کی بنیادی مہارتیں ہیں؟

(A) دو

(B) چار

(C) تین

(D) بنیادی مہارتیں نہیں ہیں

(vi) خود تدریسی عمل ہے۔

(A) معاشرہ کا

(B) اساتذہ کی تربیت کی

(C) تاریخی پس منظر کا

(D) مستقبل کا

(vii) بابائے اردو کس کو کہا جاتا ہے؟

(A) سرسید احمد خاں

(B) مولوی عبدالحق

(C) اقبال

(D) محمود شیرانی

(viii) قلی قطب شاہ کا تعلق ہے؟

(A) دکن سے

(B) دہلی سے

(C) لکھنؤ سے

(D) کہیں سے نہیں

(ix) جس شعر میں شاعر اپنا تخلص لاتا ہے اسے کہتے ہیں؟

(A) مطلع

(B) مقطع

(C) حسن مطلع

(D) ان میں سے کوئی نہیں

(x) سوال جواب کا طریقہ ایجاد کیا؟

(A) کلپیٹرک نے

(B) پلیٹو

(C) سکرات

(D) ماریا مونٹیسری نے

حصہ دوم

2. انسانی زندگی میں زبان کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے مادری زبان کے افعال بیان کریں۔

3. اردو نثر کے معنی، مفہوم اور اصناف بیان کیجیے۔

4. اردو نظم کی تعریف بیان کرتے ہوئے نظم اور غزل کے درمیان فرق واضح کریں۔

5. اردو زبان کے ارتقا کے سلسلہ میں محمود شیرانی کا نظریہ پیش کریں۔

6. خورد تدریس کا تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے اس کی پانچ مہارتوں پر روشنی ڈالیں۔

7. استقرائی واستخراجی طریقہ تدریس میں مثالوں کے ذریعہ فرق واضح کریں۔

8. اردو زبان کی بنیادی مہارتوں کا تعارف پیش کیجیے اور سماعت کو فروغ دینے والے عوامل پر روشنی ڈالیے۔

9. بلوم کے مقاصد کی درجہ بندی میں ذہنی علاقہ کو وضاحت کے ساتھ پیش کیجیے۔

حصہ سوم

10. اردو زبان کی تدریس کے عام مقاصد وخاص مقاصد کا موازنہ پیش کیجیے۔

11. اردو زبان کی تدریس کے منصوبہ سبق کے مختلف مراحل اور ان کی نوعیت پیش کیجیے۔

12. اردو معلم کی تربیت میں خود تدریس کے اقدامی عمل کو بیان کیجیے۔

13. اردو نثر اور اردو نظم کی تدریس میں مثالوں کے ذریعہ فرق واضح کیجیے۔

14. درجہ میں ایک اردو استاد درس وتدریس کے کون سے اصولوں کا پابند رہتا ہے اور کیوں؟

☆☆☆